بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 5 | ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مئی ۲۰۰۸ء | شمارہ: 5

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

0300-5335233

معاونین

حافظ ندیم ظہیر 0301-6603296

ابو جابر عبداللہ دامانوی 0300-7062081

محمد صفدر حضروی

ابو خالد شاکر

برائے رابطہ

اعظم بلال 0302-5756937

طارق مجاہد یزمانی 0345-8737752

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے

سالانہ : 150 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

200 روپے

اس شمارے میں

خط کتابت

مکتبة الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقام اشاعت

مکتبة الحدیث

حضرو ضلع اٹک

کلمۃ الحدیث　　　　حافظ ندیم ظہیر

آرزوؤں کے صحرا میں دم توڑتا انسان!

آرزوئیں انسان کو بے بس کر دیتی ہیں۔ انسان انھی آرزوؤں کے حصار میں اس طرح جکڑا جاتا ہے جس طرح شہد میں مکھی اور پھر انسان ڈوبتا ہی جاتا ہے۔ ایک آرزو کا تعاقب دوسری آرزو سے متعارف کراتا ہے اور اس طرح سلسلہ در سلسلہ زنجیر بنتی چلی جاتی ہے۔ یہ وہ قُقنس ہے جو جلتا ہے اور اپنی راکھ سے نئے قُقنس کو جنم دیتا ہے۔ غرضیکہ ایک طرف آرزوؤں کا لا متناہی اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے تو دوسری طرف رب العالمین کا فیصلہ ہے:

﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ﴾

اور کوئی جاندار یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کرے گا۔ (لقمان:۳۴)

لیکن انسان ہے کہ ہر چیز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آرزوؤں کے ناہموار راستے پر دوڑتا ہی جا رہا ہے۔ اس سارے سفر میں جو حاصل ہو جائے اس کی تمنا ختم ہو جاتی ہے اور جو حاصل نہ ہو سکے وہ ایک حسرتِ ناتمام بن کر دم توڑ دیتی ہے۔

بہت دفعہ ایسے ہوتا ہے کہ ابھی آرزوئیں ناتمام ہی ہوتی ہیں کہ موت کا آہنی پنجہ آدمی کو اپنے شکنجے میں کس لیتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کی مجال نہیں ہو سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾

ہر نفس نے موت سے ہمکنار ہونا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو، دراصل کامیاب وہ ہے جو آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ یہ دنیا تو محض ایک فریب ہے۔ (آلِ عمران:۱۸۵)

دنیا کی حقیقت کو جاننے کے باوجود بھی عموماً انسان کی تمام تر آرزوئیں دنیا ہی سے متعلق ہوتی ہیں۔ وہی دنیاوی جاہ وجلال، اقتدار کی حرص، شہرت کی ہوس اور عیش وعشرت کی خواہش اور اس کے مقابلے میں اُخروی زندگی کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴾

''یعنی تم دنیا کی زندگی کو آخرت پر مقدم رکھتے ہو اور آخرت کے مقابلے میں ختم ہونے والی، مکدر کرنے والی اور زائل ہو جانے والی نعمتوں کو ترجیح دیتے ہو﴿ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴾ حالانکہ آخرت ہر وصف مطلوب میں دنیا سے بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے، کیونکہ آخرت دارالخلد اور دارالبقا ہے اور دنیا دارالفنا ہے اور ایک عقل مند مومن عمدہ کے مقابلے میں ردی کو منتخب کرے گا نہ ایک گھڑی کی لذت کے لئے ابدی رنج وغم کو خریدے گا۔ پس دنیا کی محبت اور اس کو آخرت پر ترجیح دینا ہر گناہ کی جڑ ہے۔'' (تفسیر السعدی ۲۹۳۹/۳)

اور فرمایا: ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾

جان لو! دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت (وآرائش) اور تمھارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال واولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (وخواہش) ہے۔ (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش کہ (اس سے کھیتی اگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے، پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر (اے دیکھنے والے!) تو اس کو دیکھتا ہے کہ پک کر زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لئے) عذاب اور (مومنوں کے لئے) اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاعِ فریب ہے۔ (الحدید:۲۰)

نیز فرمایا: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ

الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾

یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشا ہے اور آخرت کا گھر، وہی ہمیشہ کا گھر ہے اگر وہ جانتے ہوتے۔ (العنکبوت:٦٤)

لیکن آج کا انسان آخرت کے بجائے اپنی تمام تر امیدیں اور آرزوئیں دنیا سے وابستہ کئے ہوئے ہے کہ سب کچھ اسی دنیا میں مل جائے خواہ آخرت میں کتنی ہی بڑی ذلت و رسوائی کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔! (العیاذ باللہ)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی لکیریں کھینچیں پھر (ایک خط کی طرف اشارہ کرکے) فرمایا: (یہ انسان کی) آرزوئیں ہیں اور (دوسری لکیر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:) یہ اس کی موت ہے۔ پس انسان اسی طرح آرزوؤں کے درمیان ہوتا ہے کہ سب سے قریب لکیر (موت) اس کے پاس آ پہنچتی ہے۔ (صحیح بخاری:٦٤١٨)

موت کا خط انسان کے سب سے قریب ہے، پھر بھی انسان اس سے غافل ہے اور حقیقت سے انحراف برتتے ہوئے آرزوؤں کے سراب کے پیچھے اپنے آپ کو تھکا رہا ہے۔ آرزو ایک ایسا صحرا ہے کہ جو اس میں بھٹک جائے وہ بالآخر اسی میں دم توڑ دیتا ہے کیونکہ اس سے واپسی کے تمام راستے مفقود ہو چکے ہوتے ہیں۔

ہاں! اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آرزوئیں سودمند ہوں، ہمیں اطمینانِ قلب نصیب ہو تو اس کا بہترین حل یہ ہے کہ اپنی آرزوؤں کا دھارا بدل دیں، اقتدار کے بجائے جنت کی حرص، جھوٹی شہرت کے بجائے تقرب الی اللہ کے لئے تگ ودو اور اپنی زندگی کی تمام تر وابستگیاں دینِ حنیف کے ساتھ خاص کر دیں، اسی میں دونوں جہانوں میں عزت کا راز ہے لیکن اس دھارے کو بدلنے کے لئے ایک نکتہ ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ انسان مسافر ہے اور اس کی زندگی ایک سفر ہے۔ امیر ہو یا فقیر، وزراء ہوں یا امراء سب ایک ہی منزل کی جانب گامزن ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی کا یہ سفر طویل ہوتا ہے تو کسی کا مختصر....بس اور وہ منزل موت ہے۔ ذکرِ موت ہی اس آدم خور صحرا سے نکلنے کی امید ہے۔

فقہ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصابیح

حدیث کا منکر جنت سے محروم رہے گا

۱٤۲) وعن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ :

((أبغض الناس إلى الله ثلاثة: ملحد في الحرم و مبتغ في الإسلام سنة الجاهلية و مطلب دم امرىءٍ بغير حق ليهريق دمه .)) رواه البخاري .

(سیدنا عبداللہ) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ تین آدمی ہیں: حرم میں الحاد کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا اور کسی آدمی کا ناحق خون بہانے کا طلب گار۔ اسے بخاری (٦٨٨٢) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

① حرم (مکہ یا مدینہ) کی بے حرمتی کرنے کو الحاد فی الحرم کہتے ہیں اور اسی طرح بے دینی، کفر اور مذہب سے بیزاری کو بھی الحاد کہا جاتا ہے۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۴۵۷)

② اس حدیث سے حرمین کی فضیلت بھی واضح ہو رہی ہے۔

③ بعض علماء نے کہا ہے کہ حرم میں بُرائی کے ارادے پر بھی سزا ملے گی جب کہ حرم سے باہر صرف بُرائی کے ارادے پر کوئی سزا و مواخذہ نہیں ہے۔

④ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر کوئی شخص (حرم سے دُور) عدن میں بھی ہو اور حرم میں الحاد کا ارادہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(مسند احمد ۱/۴۲۸ ح ۴۰۷۱ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم ۲/۳۸۸ ووافقہ الذہبی)

⑤ جاہلیت کے طریقوں میں سے کفر، شرک اور بدعت سب حرام کام ہیں۔ اس حدیث سے بدعت کی مذمت اور سنت کا اثبات ہوتا ہے۔

مرعاۃ المفاتیح میں میت پر جاہلیت کی طرح رونا پیٹنا، جوا، بدفالی اور نجومیوں کے پیشے وغیرہ کو جاہلیت کے طریقوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔ (ج ا ص ۲۳۸)

⑥ دینِ اسلام میں کسی کا ناحق خون بہانا حرام ہے۔

۱٤۳) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :

((كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبٰى .)) قيل :ومن أبٰى :قال :

((من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبٰى .)) رواه البخاري .

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری ساری اُمت جنت میں جائے گی سوائے اُس شخص کے جس نے (داخل ہونے سے) انکار کر دیا۔ پوچھا گیا: وہ کون ہے جو انکار کر دے گا؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے (داخل ہونے سے) انکار کر دیا۔ اسے بخاری (۷۲۸۰) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

① رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔

② رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کا انکار کرنے والا شخص جنت سے محروم رہے گا۔

③ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔ (النساء:۸۰)

درج بالا حدیث اس آیت کی تصدیق و بیان ہے۔ والحمد للہ

④ گناہ گار مسلمانوں کو نبی ﷺ کی اُمت سے خارج کرنا یا سمجھنا غلط ہے۔

⑤ راجح یہی ہے کہ اُمت سے مراد اُمت اجابت ہے یعنی امت میں سے وہ لوگ جنت میں جائیں گے جنھوں نے نبی کریم ﷺ کا سچے دل سے کلمہ پڑھا ہے اور اسلام سے دور کرنے والے عقائد واعمال سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔

⑥ ہر وقت سنت کا دامن مضبوطی سے تھامنا اور بدعات سے بچنا ضروری ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

عیسائیوں کے تین سوالات اور ان کے جوابات

سوال: ''ایک عیسائی نے کچھ سوال دیئے ہیں اور کہا ہے کہ اگر آپ میرے سوالوں کے جواب دے دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

(پہلا سوال:) عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں بولے۔ (آپ کے) نبی (ﷺ) نہیں بولے۔ ثابت ہوا عیسیٰ بڑے ہیں۔'' (ایک سائل)

الجواب: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی کنواری والدہ سیدہ مریم علیہا السلام پر یہودیوں کی طرف سے زنا کی تہمت لگی کیونکہ وہ چند دن کا چھوٹا سا ننھا بچہ گود میں لے کر آ گئی تھیں۔ اب ضروری تھا کہ اس تہمت کا مضبوط اور محیر العقول طریقے سے جواب دیا جائے لہٰذا سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اس حالتِ معصومیت میں کلام اور اپنی نبوت کا اعلان کر کے اپنی ماں کی بے گناہی ثابت کر دی۔

ہمارے نبی محمد ﷺ کی والدۂ محترمہ اور والد بزرگوار سب لوگوں کو معلوم تھے، آپ کی والدہ پر کوئی تہمت نہیں لگی تھی لہٰذا ایسی صفائی کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ کوئی معصوم بچہ گود میں گواہی دے کر آپ کی والدہ کی براءت ثابت کر دے۔ گواہی اور براءت کی وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں تہمت اور اعتراض ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ گود میں معصوم بچے کا بولنا افضلیت کی دلیل نہیں ورنہ یہ ثابت ہے کہ جریج راہب کی براءت کے لئے معصوم بچہ بولا تھا۔ کیا جریج راہب کے سامنے بولنے والے بچے کو اُن انبیاء مثلاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا یعقوب علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت دی جائے گی جن کا ماں کی گود میں بولنا ثابت نہیں ہے؟ معلوم ہوا کہ سائل کے سوال کی بنیاد ہی غلط ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے تمام سچے رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول اور بندے ہیں، اسی طرح سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول اور بندے ہیں۔

رسول کی فضیلت کی اصل بنیاد رسالت ہوتی ہے۔ ہمارے رسول کی رسالت ان کی اپنی مادری زبان میں قرآنِ مجید کی صورت میں دنیا میں موجود ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت یعنی انجیل ان کی مادری زبان میں کہیں موجود نہیں ہے۔ پولس کے پیروکار عیسائیوں کا یونانی زبان میں متی، مرقس، لُوقا اور یوحنا کی بے سند انجیلیں پیش کرنا کئی وجہ سے غلط ہے:

① سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی مادری زبان یونانی نہیں بلکہ آرامی تھی۔

② متی کی طرف منسوب انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ ''یسوعؑ نے وہاں سے آگے بڑھ کر متی نام ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اس سے کہا میرے پیچھے ہولے۔ وہ اُٹھ کر اُسکے پیچھے ہولیا۔'' (متی باب ۹ فقرہ: ۹، پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ص ۱۱، ۱۲، نیز دیکھئے کلامِ مقدس کا عہد عتیق وجدید، سوسائٹی آف سینٹ پال روما ۱۹۵۸ء ص ۱۳)

معلوم ہوا کہ متی کی طرف منسوب انجیل کا مصنف متی نہیں ہے یا پھر متی سے اس کے راوی کا نام معلوم نہیں ہے۔

③ مرقس اور لُوقا دونوں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد و حواری نہیں ہیں۔ یوحنا اور پطرس دونوں اَن پڑھ تھے۔ دیکھئے اعمال ب ۴ فقرہ: ۱۳، عہد نامۂ جدید ص ۱۱۱

معلوم ہوا کہ یوحنا کی انجیل بھی یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس کا راوی مجہول ہے اور اس انجیل کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ ''یہ وُہی شاگرد ہے جو اِن باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے اِنکو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اُس کی گواہی سچی ہے''

(یوحنا ب ۲۱ فقرہ: ۲۴، عہد نامۂ جدید ص ۱۰۷)

④ مسلمانوں کے پاس اپنے نبی کی سیرت اور اقوال صحیح متصل سندوں کے ساتھ موجود

ہیں لیکن پولسی عیسائیوں کے پاس سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت صحیح متصل سند سے موجود نہیں ہے۔

تنبیہ: پولس نے لکھا ہے: ''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا...'' (گلتیوں کے نام پولس کا خط ب۳ فقرہ:۱۳، عہد نامۂ جدید ص۱۸۰)

اس عبارت میں پولس نے دو باتیں لکھی ہیں:

اول: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر لعنتی کا فتویٰ (العیاذ باللہ)

یاد رہے کہ مسلمانوں کے نزدیک کوئی نبی لعنتی نہیں تھا بلکہ سب انبیاء اور رسول ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور افضل ترین انسان تھے۔

دوم: شریعت سے چھڑایا جانا

اس کے برعکس متی کی طرف منسوب انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلیگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔''

(ب۵ فقرہ:۱۷، ۱۸، عہد نامۂ جدید ص۸)

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ سائل نے جس چیز کو بڑائی کی بنیاد بنایا ہے وہ درست نہیں اور جو امور خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر دلالت کرتے ہیں انھیں نظر انداز کر دیا ہے۔

سوال: ''(دوسرا سوال: آپ کے) نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معراج کے موقع پر سینہ چاک کیا گیا اور عیسیٰ کا نہیں کیا گیا تو نبی میں غلطیاں تھیں عیسیٰ میں نہیں۔'' (ایک سائل)

الجواب: اگر سفر بہت لمبا اور عظیم الشان ہو تو اس کے لئے خاص تیاریاں ہوتی ہیں۔ ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ معراج ایسا عظیم الشان سفر ہے کہ آپ سات آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو نچلے آسمان پر اپنے پیچھے چھوڑ

گئے ۔اس عظیم سفر کے لئے یہ عظیم تیاری کروائی گئی۔

یادرہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا سینہ دوفرشتوں نے آپ کے بچپن میں چاک کر کے پانی (آبِ زمزم) سے دھویا تھااور اس پر ختم نبوت کی مہر لگادی تھی۔

(دیکھئے مسند امام احمد ج۴ص۱۸۴ح ۱۷۶۴۸، وسندہ حسن، نیز دیکھئے صحیح مسلم:۱۶۳)

آپ آخری نبی (خاتم النبیین) اور رحمت للعالمین تھے اس لئے آپ کے بچپن میں فرشتوں (جبرائیل علیہ السلام وغیرہ) نے آپ کا سینہ دھویا تھا تاکہ آپ کے دل میں کسی نیک انسان کے لئے کوئی غصہ اور نفرت نہ ہو پھر لمبے سفر پر اس کی تجدید کرادی گئی۔ یہ ظاہر ہے کہ جس کا سینہ اُس کے بچپن میں ہی فرشتوں نے دھو کر صاف و شفاف کر دیا تھا وہ انسان بلاشک وشبہ اُس انسان سے افضل ہے جس کا سینہ دھویا نہیں گیا۔اس سے بھی آخری نبی کی افضلیت ہی ثابت ہورہی ہے۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر نبی معصوم اور پاک ہوتا ہے، اس سے کسی قسم کی غلطی کا صدور نہیں ہوتا جس غلطی سے حد یا فسق لازم آئے۔ اجتہادی لغزش اگر ثابت ہو تو علیحدہ بات ہے جس کا ایک اجر ضرور ملتا ہے۔اس کے برعکس پولسی عیسائیوں کا انبیاء اور رسولوں کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ درج ذیل عبارت میں اس کے کچھ نمونے پیشِ خدمت ہیں:

مثال اول:

پولسی عیسائیوں کی کتاب سلاطین میں لکھا ہوا ہے: '' کیونکہ جب سلیمان بُڑھا ہو گیا تو اُسکی بیویوں نے اُسکے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کرلیا اور اُس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اُسکے باپ داؤد کا دل تھا ۔ کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے نفرتی مِلکوم کی پیروی کرنے لگا۔اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اُس نے خداوند کی پُوری پیروی نہ کی جیسی اُسکے باپ داؤد نے کی تھی۔''

(سلاطین اب ۱۱ فقرہ:۴ تا ۶، عہد نامۂ قدیم ص ۳۴۰)

عبارتِ مذکورہ میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کو غیر اللہ کی عبادت کرنے والا یعنی مشرک قرار

دیا گیا ہے حالانکہ وہ سچے موحد رسول تھے اور شرک وکفر سے بے حد وحساب دُور تھے۔

مثال دوم: عیسائیوں اور یہودیوں کی کتاب خروج میں لکھا ہوا ہے کہ ''اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اُترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوکر اُس سے کہنے لگے کہ اُٹھ ہمارے لئے دیوتا بنادے جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مردموسیٰ کو جو ہم کو ملکِ مصر سے نکالکر لایا کیا ہوگیا۔ ہارون نے اُن سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں سونے کی بالیاں ہیں اُنکو اُتار کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ سب لوگ اُنکے کانوں سے سونے کی بالیاں اُتار اُتار کر اُنکو ہارون کے پاس لے آئے۔ اور اُس نے اُنکو اُنکے ہاتھوں سے لیکر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملکِ مصر سے نکالکر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارون نے اُسکے آگے ایک قربانگاہ بنائی اور اُس نے اِعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی۔ اور دوسرے دن صبح سویرے اُٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گذرانیں۔ پھر اُن لوگوں نے بیٹھکر کھایا پیا اور اُٹھکر کھیل کود میں لگ گئے۔'' (خروج باب ۳۲ فقرہ: ۱ تا ۶، عہدنامۂ قدیم ص ۸۴)

عبارتِ مذکورہ میں سیدنا ہارون علیہ السلام کو بت بنانے والا اور بُت کی عبادت کرنے والا بنا کر پیش کیا گیا ہے حالانکہ سیدنا ہارون علیہ السلام اللہ کے سچے نبی اور موحد تھے۔ آپ شرک اور بت پُرستی سے بے حد دُور تھے۔

مثال سوم: سموئیل نامی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ''اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اُٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اُس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیجکر اُس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ اِلعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتّی اوریّاہ کی بیوی ہے۔ اور داؤد نے لوگ بھیجکر اُسے بلالیا۔ وہ اُسکے پاس آئی اور اُس نے اُس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہوچکی تھی)۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہوگئی....''

(سموئیل ۲ ب ۱۱ فقرہ: ۲ تا ۵، عہد نامہ قدیم ص ۳۰۳)

اس عبارت میں سیدنا داود علیہ السلام سچے رسول اور نبی کو اوریّاہ نامی آدمی کی بیوی سے زنا کرنے والا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ سیدنا داود علیہ السلام اس تہمت سے بالکل بری اور پاک ہیں۔

تین خداؤں کا عقیدہ رکھنے والے اور پولس کو رسول ماننے والے عیسائیوں نے اپنی ان ''الہامی آسمانی'' عبارات میں سیدنا ہارون علیہ السلام، سیدنا داود علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جھوٹ بولتے ہوئے ایسی غلطیاں گھڑ رکھی ہیں جن کا صدور عام نیک آدمی سے بھی نہیں ہوتا جبکہ نبی ورسول کے بارے میں تو ایسی غلطیوں کا تصور بھی محال اور ناممکن ہے۔

سوال: ''(تیسرا اور آخری سوال: آپ کے) نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نکاح کون سی شریعت پر ہوا اور کس نے پڑھایا؟'' (ایک سائل)

الجواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے بعض اہلِ عرب دینِ ابراہیمی پر تھے اور بعض اس کے ساتھ ساتھ شرک وکفر میں پھنسے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح دینِ ابراہیمی پر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اور بعد دونوں زمانوں میں شرک، کفر اور گناہوں سے مکمل معصوم اور بے حد وحساب دُور تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے چچا سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کی شادی کروائی تھی۔ دیکھئے امام محمد بن اسحاق بن یسار المدنی (متوفی ۱۵۱ھ) کی کتاب ''السیرۃ النبویۃ'' (ص ۱۳۰)

تنبیہ: نکاح میں ایجاب وقبول، حق مہر، ولی اور گواہوں کی موجودگی اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو غیر مسلم لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں تو اُن کے سابقہ نکاح دوبارہ نہیں پڑھائے جاتے۔

پولس کو رسول ماننے والے عیسائیوں کے تین سوالات کے جوابات سے فارغ ہونے کے بعد اب ہمارے تین سوالات پیشِ خدمت ہیں اور عیسائیوں سے چاہے کیتھولک ہوں، آرتھوڈوکس ہوں یا پروٹسٹنٹ، سوالات کے مطابق جوابات کا مطالبہ ہے:

پہلا سوال: کرنتھیوں کے نام پولس کے پہلے خط میں لکھا ہوا ہے: ''کیونکہ خُدا کی بیوقوفی

آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے اور خُدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زورآور ہے۔'' (کرنتھیوں: اب افقرہ:۲۵، عہد نامۂ جدید ص۱۵۴)

کیاعیسائیوں کے نزدیک خدا کی ذات میں بیوقوفی اور کمزوری پائی جاتی ہے؟

دوسرا سوال: پولسی عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر پھانسی دی گئی تھی، اسی سلسلے میں پولس لکھتا ہے: ''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔''

(گلتیوں کے نام پولس کا خط باب۳ فقرہ:۱۳، عہد نامۂ جدید ص۱۸۰)

کیا سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بارے میں لعنتی کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے؟

تیسرا سوال: عیسائیوں کے نزدیک الہامی آسمانی کتاب ''پیدائش'' میں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ ''خداوند ممرے کے بلوطوں میں اُسے نظر آیا اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا۔ اور اُس نے اپنی آنکھیں اُٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ تین مرد اُسکے سامنے کھڑے ہیں۔ وہ اُن کو دیکھ کر خیمہ کے دروازہ سے اُن سے ملنے کو دوڑا اور زمین تک جُھکا۔ اور کہنے لگا کہ اَے میرے خداوندا اگر مجھ پر آپ نے کرم کی نظر کی ہے تو اپنے خادِم کے پاس سے چلے نہ جائیں۔ بلکہ تھوڑا سا پانی لایا جائے اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اُس درخت کے نیچے آرام کریں۔ میں کچھ روٹی لاتا ہوں۔ آپ تازہ دم ہو جائیں۔ تب آگے بڑھیں کیونکہ آپ اِسی لئے اپنے خادم کے ہاں آئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا جیسا تُو نے کہا ہے وَیسا ہی کر۔ اور ابرہام ڈیرے میں سارہ کے پاس دَوڑا گیا اور کہا کہ تین پیمانہ باریک آٹا جلد لے اور اُسے گوندھ کر پُھلکے بنا۔ اور ابرہام گلّہ کی طرف دَوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دِیا اور اُس نے جلدی جلدی اُسے تیار کیا۔ پھر اُس نے مکّھن اور دُودھ اور اُس بچھڑے کو جو اُس نے پکوایا تھا لیکر اُن کے سامنے رکھا اور آپ اُن کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور اُنہوں نے کھایا۔ پھر اُنہوں نے اُس سے پوچھا کہ تیری بیوی سارہ کہاں ہے؟ اُس نے کہا وہ ڈیرے میں ہے۔ تب اُس نے کہا میں پھر

موسم بہار میں تیرے پاس آؤنگا اور دیکھ تیری بیوی سارؔہ کے بیٹا ہوگا۔ اُسکے پیچھے ڈیرے کا دروازہ تھا۔ سارؔہ وہاں سے سُن رہی تھی۔ اور ابرہامؔ اور سارؔہ ضعیف اور بڑی عُمر کے تھے اور سارؔہ کی وہ حالت نہیں رہی تھی جو عورتوں کی ہوتی ہے۔ تب سارؔہ نے اپنے دِل میں ہنس کر کہا کیا اِس قدر عُمر رسیدہ ہونے پر بھی میرے لِئے شادمانی ہوسکتی ہے حالانکہ میرا خاوند بھی ضعیف ہے؟۔ پھر خُداوند نے ابرہامؔ سے کہا کہ سارؔہ کیوں یہ کہکر ہنسی کہ کیا میرے جو اَیسی بُڑھیا ہوگئی ہُوں واقعی بیٹا ہوگا؟ کیا خُداوند کے نزدیک کوئی بات مُشکل ہے؟ موسمِ بہار میں مُعیّن وقت پر مَیں تیرے پاس پھر آؤنگا اور سارؔہ کے بیٹا ہوگا۔ تب سارؔہ اِنکار کرگئی کہ مَیں نہیں ہنسی کیونکہ وہ ڈرتی تھی۔ پر اُس نے کہا نہیں تُو ضرور ہنسی تھی۔

تب وہ مرد وہاں سے اُٹھے اور اُنہوں نے سدومؔ کا رُخ کِیا اور ابرہامؔ اُنکو رُخصت کرنے کو اُنکے ساتھ ہو لِیا۔ اور خُداوند نے کہا کہ جو کُچھ مَیں کرنے کو ہُوں کیا اُسے ابرہامؔ سے پوشیدہ رکھوں؟۔ ابرؔہام سے تو یقیناً ایک بڑی اور زبردست قَوم پَیدا ہوگی اور زمین کی سب قومیں اُسکے وسیلہ سے برکت پائینگی۔ کیونکہ مَیں جانتا ہُوں کہ وہ اپنے بیٹوں اور گھرانے کو جو اُسکے پیچھے رہ جائینگے وصیت کریگا کہ وہ خداوند کی راہ میں قائم رہ کر عدل اور اِنصاف کریں تاکہ جو کچھ خُداوند نے ابرؔہام کے حق میں فرمایا ہے اُسے پورا کرے۔ پھر خُداوند نے فرمایا چونکہ سدؔوم اور عمؔورہ کا شور بڑھ گیا اور اُنکا جُرم نہایت سنگین ہوگیا ہے۔ اسلئے مَیں اب جا کر دیکھونگا کہ کیا اُنہوں نے سراسر وَیسا ہی کیا ہے جَیسا شور میرے کان تک پہنچا ہے اور اگر نہیں کِیا تو مَیں معلوم کرلُونگا۔ سو وہ مرد وہاں سے مُڑے اور سدؔوم کی طرف چلے پر ابرؔہام خُداوند کے حضور کھڑا ہی رہا۔ تب ابرؔہام نے نزدیک جا کر کہا کیا تُو نیک کو بد کے ساتھ ہلاک کریگا؟۔ شاید اُس شہر میں پچاس راستباز ہوں۔ کیا تُو اُسے ہلاک کریگا اور اُن پچاس راستبازوں کی خاطر جو اُس میں ہوں اُس مقام کو نہ چھوڑیگا؟۔ ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کے ساتھ مار ڈالے اور نیک بد کے برابر ہو جائیں۔ یہ تجھ سے بعید ہے۔ کیا تمام دُنیا کا اِنصاف کرنے والا اِنصاف نہ کریگا؟۔ اور خداوند نے فرمایا کہ اگر

مُجھے سدوم میں شہر کے اندر پچاس راستباز مِلیں تو مَیں اُنکی خاطر اُس مقام کو چھوڑ دُونگا۔'' (مسیحی: کتاب مقدس، بائبل یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ ص ۱۷ پیدائش باب ۱۸ فقرہ: ۱ تا ۲۶، شائع کردہ: بائبل سوسائٹی، انار کلی لاہور)

عرض ہے کہ کیا خدا کو معلوم نہیں تھا کہ سدوم اور عمورہ والے نہایت سنگین جرم کا ارتکاب کررہے ہیں؟ اور کیا خدا تعالیٰ تحقیق کرنے کے لئے خود جاتا ہے؟ یہ کیسا خدا ہے جو عیسائیوں کے نزدیک دودھ، مکھن، گوشت اور روٹیاں کھالیتا ہے؟

اگر ان سوالوں کے جوابات آپ لوگوں کے پاس نہیں ہیں تو آپ کس دلیل سے عہد نامۂ قدیم وعہد نامۂ جدید کے عیسائی مروجہ مطبوعہ نسخوں کو آسمانی والہامی قرار دیتے ہیں؟

وما علینا إلا البلاغ (۱۰/فروری ۲۰۰۸ء)

اعلانات

☆ ماہنامہ الحدیث: ۴۶ (مارچ ۲۰۰۸ء) ص ۴۸ پر اسلامی فتاویٰ نامی کتاب کے بارے میں چھپ گیا ہے کہ ''پہلی جلد ۱۴۱۳ھ میں آپ نے شائع کرائی تھی۔''
یہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس کتاب کی پہلی جلد آپ (عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ) نے ۱۳۹۵ھ (اپنی وفات) سے پہلے شائع کرائی تھی۔
اس غلطی کی طرف حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ نے ۲۷/ ۲/ ۱۴۲۹ھ کے مکتوب میں توجہ دلائی ہے۔ جزاہ اللّٰہ خیراً
ہم حافظ صاحب حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی آپ شفقت فرماتے ہوئے ہماری علمی رہنمائی کرتے رہیں گے۔ ان شاءاللہ
☆ ماہنامہ الحدیث: ۴۶ کے پہلے اندرونی ٹائٹل ''احسن الحدیث'' میں کمپوزنگ کی غلطی سے ﴿الْقِيِّمَةِ﴾ میں ق کی زبر کے بجائے ق کی زیر چھپ گئی ہے، قارئینِ کرام اصلاح کرلیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری کوتاہی معاف فرمائے۔ آمین

ادارہ مکتبۃ الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک

حافظ ندیم ظہیر

فضائل اعمال

جس کے بچے فوت ہو جائیں اور اس (پرصبر) کی فضیلت

۱۲۴) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ذریعے سے اس کے والد (اور والدہ) کو جنت میں داخل کر دے گا۔ (صحیح بخاری:۱۲۴۸)

۱۲۵) سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: مرد (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنے میں) ہم سے سبقت لے گئے ہیں لہٰذا آپ اپنی طرف سے ہمارے لئے (بھی) کوئی دن خاص کر دیں۔ آپ نے ان سے (ایک دن کا) وعدہ فرمالیا تو آپ نے ان سے ملاقات کی اور انھیں وعظ (ونصیحت) فرمائی اور انھیں کئی احکام سنائے۔ آپ نے ان سے جو فرمایا، اس میں یہ بات بھی تھی کہ تم میں سے جو کوئی عورت اپنے تین بچے آگے بھیجے گی تو وہ اس کے لئے جہنم سے (بچاؤ کا ذریعہ یعنی) پردہ ہوں گے۔ ایک عورت نے کہا: اور دو بچے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور دو (بھی)۔ (صحیح بخاری:۱۰۱، صحیح مسلم:۲۶۳۳، دارالسلام:۶۶۹۹)

۱۲۶) سیدنا عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں وہ جنت کے آٹھوں دروازوں پر ان (والدین) کا استقبال کریں گے، جس دروازے سے چاہے (جنت) میں داخل ہو جائیں۔ (سنن ابن ماجہ:۱۶۰۴، وسندہ صحیح)

فوائد:

مذکورہ تینوں احادیث میں ایسے والدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے جن کے تین یا دو بچے فوت ہو جائیں اور وہ اللہ کی رضا سے راضی ہوتے ہوئے ثواب کی نیت سے اس پر صبر

کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جس قدر بڑی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ اجروثواب سے نوازتا ہے بشرطیکہ کامل صبر کا مظاہرہ کیا جائے۔
بعض روایات میں ایک بچے کے فوت ہونے پر بھی درج بالا بشارت کا ذکر ہے۔
دیکھئے سنن النسائی (۱۸۷۱، وسندہ صحیح)

مردہ بچے پر صبر کی فضیلت

۱۲۷) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ناتمام بچہ اپنی ماں کو جھلّی کے ذریعے سے کھینچ کر جنت میں لے جائے گا، اگر اس نے اس پر صبر کیا ہو۔
(سنن ابن ماجہ: ۱۶۰۹، وسندہ ضعیف)

فوائد:

اس روایت کی سند میں یحییٰ بن عبیداللہ متروک راوی ہے لہٰذا یہ ضعیف ہے۔
اسقاط (مردہ بچے) کے حوالے سے چند فوائد درج ذیل ہیں:
''السقط'' کہتے ہیں ''ہر گرنے والی چیز، جنین، ناتمام بچہ جو ساقط ہو جائے نر ہو یا مادہ''
(القاموس الوحید ص ۷۷۹)

تنبیہ: ہر مردہ بچے کو بھی السقط کہتے ہیں۔
سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((والسِّقط یُصلّٰی علیه و یُدعَی لوالدیه بالمغفرة والرحمة .))
جو بچہ مردہ پیدا ہو تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور اس کے والدین کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کی جائے۔ (سنن ابی داود: ۳۱۸۰، وسندہ صحیح وصححہ الترمذی: ۱۰۳۱، وابن حبان، الموارد: ۷۶۹، والحاکم علیٰ شرط البخاری ۱/۳۶۳ ووافقہ الذہبی)
معلوم ہوا کہ مردہ بچے کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہئے۔ جس روایت میں مردہ بچے کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی نفی آئی ہے اس کی سند ضعیف ومردود ہے۔

مصیبت کے وقت إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کی فضیلت

۱۲۸) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، نبی ﷺ کی بیوی روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: جس مسلمان پر کوئی مصیبت آئے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق: ((إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اللّٰهُمَّ اَجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا.)) ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے اس مصیبت کا ثواب دے اور میرے لئے اس کا نعم البدل عنایت فرما، پڑھے۔ (ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے) فرمایا: جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق کہا تو اللہ نے میرے لئے ابوسلمہ کے بدلے بہترین (خاوند) رسول اللہ ﷺ عطا فرما دیئے۔

(صحیح مسلم: ۹۱۸، دارالسلام: ۲۱۲۷)

فوائد:

① مصیبت کے وقت صبر کرنا بہت اجر وثواب کا حامل عمل ہے۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے بالخصوص مصیبت و پریشانی کے اوقات میں۔

② اگر کوئی چیز چھن جائے تو صبر کرتے ہوئے مذکورہ دعا پڑھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔ ان شاء اللہ

۱۲۹) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! اگر صدمہ کے آغاز میں تو صبر کرے اور ثواب کی نیت رکھے تو میں تیرے لئے جنت سے کم ثواب پسند نہیں کروں گا۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۵۹۷، وسندہ حسن)

فوائد:

اس حدیث میں جہاں صبر کی فضیلت ہے وہاں ابتدائے صدمہ کے وقت صبر کرنے کی تاکید بھی ہے کیونکہ صبر ہے ہی آغازِ صدمہ میں وگرنہ بعد میں ایک نہ ایک دن تو صبر آ ہی جاتا ہے۔

محمد اسلم سندھی

بدیع التفاسیر ایک عظیم تفسیر۔ مختصر جائزہ (آخری قسط)

[اس مضمون کی پہلی دو قسطوں کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث:۳۹، ۴۰]

بدیع التفاسیر سے کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ كُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تمھیں فرعونیوں یعنی ان کے لشکر سے نجات دلائی جو کہ تمھیں کئی طریقوں سے بُری قسم کا عذاب چکھاتے رہے تمھارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمھاری بیٹیوں کو اپنی خدمت کے لئے زندہ چھوڑتے تھے اور اس واقعہ میں حقیقتاً تمھارے رب کی طرف سے تمھارے اوپر بڑا انعام اور احسان ہے۔

(اصل ترجے کو خط کشیدہ کرکے واضح کر دیا گیا ہے۔)

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کچھ انعامات کو تفصیل سے بیان فرماتا ہے کہ فرعون نے اپنی فوج کے زور سے قوم پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے اور ان کی دو پارٹیاں بنائیں یعنی قبطی اور بنی اسرائیل۔ پہلی کو اپنی حکومتی پارٹی بنایا کیونکہ وہ اس کی قوم تھی۔ ان کے ذریعے سے بنی اسرائیل پر ظلم کرواتا رہا۔ ان کے بیٹے قتل کروائے جا رہے تھے اس لئے کہ کہیں کوئی ایسا فرد اٹھ کھڑا نہ ہو جو میرے خلاف بغاوت کر دے پھر ان کی بیٹیوں کو اپنی خدمت اور عیاشی کے لئے چھوڑ دیتا تاکہ وہ ہمیشہ ذلیل، کمزور اور غلام بنے رہیں۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ (القصص:۴)

خاص طور پر ان کے بیٹے اس لئے مروا رہے تھے کہ کہیں کوئی بغاوت نہ کرے یا انقلاب بپا نہ کر دے۔ کیونکہ جو (پہلے) موجود تھے ان کو اذیتیں پہنچا کر اتنا کمزور کر چکا تھا کہ ان کے اندر ہمت ہی باقی نہیں رہی تھی کہ ان سے کسی بغاوت کا خطرہ رہتا اور غلامی ان کی طبیعتِ ثانیہ

بن چکی تھی۔ جبکہ نئی نسل سے ان کو خطرہ تھا اس لئے انھیں ذبح کرواتا رہا اور ان کی بیٹیوں کو چھوڑتا رہا تاکہ ان کو بھی اپنی اور اپنی قوم کی خدمت کے لئے استعمال کیا جائے اور وہ (بنی اسرائیل) ان (عورتوں) کی خدمت سے بھی محروم رہیں۔ اور مزید کمزور اور بے بس بن جائیں۔ نیز (قبطی) ان کو اپنی عیاشی کے لئے استعمال کریں تاکہ ان کی مزید بے عزتی اور تذلیل ہو۔ اتنے بڑے عذاب سے نجات دلانا کوئی معمولی نعمت نہیں ہے۔

بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ فرعون کو نجومیوں اور کاہنوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تمھارے زوال کا سبب بنے گا اس لئے وہ ان کے بیٹوں کو قتل کرواتا رہا۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کیونکہ اگر انھوں نے فرعون کو ایسی خبر بتائی تھی تو یہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہے: اگر فرعون نے ان پر اعتبار کیا تو پھر یہ بات یقینی ہوئی اور فرعون کی اس کے خلاف کوشش بے سود تھی پھر کیوں خواہ مخواہ بچے مروا رہے تھے جس سے کوئی مقصد حاصل ہونے کی امید نہیں تھی۔

اور اگر فرعون نے ان کو جھوٹا سمجھا اور ان کی بات پر یقین نہیں کیا ہوگا تو پھر اس طرح بچے مروانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ظالم کو ہمیشہ اپنی عاقبت کا خطرہ رہتا ہے۔ اس لئے ہر خطرے سے بچنے کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ یہی فرعون کا حال سمجھنا چاہئے چنانچہ بائبل عہد نامہ قدیم (ص ۱۰۷) موسیٰ (علیہ السلام) کی دوسری کتاب یعنی خروج باب اول آیت ۸ تا ۱۷ میں ہے: ''تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا۔ اور اُس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا دیکھو اسرائیلی ہم سے زیادہ اور قوی ہو گئے ہیں۔ سو آؤ ہم اُنکے ساتھ حکمت سے پیش آئیں یہ نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اُس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں۔ اسلئے اُنہوں نے اُن پر بیگار لینے والے مُقرر کئے جو اُن سے سخت کام لےلیکر اُنکو ستائیں۔ سو اُنہوں نے فرعون کے لئے ذخیرہ کے شہر پتوم اور رعمسیس بنائے۔ پر اُنہوں نے جتنا اُنکو ستایا وہ اُتنا ہی زیادہ بڑھتے اور پھیلتے گئے۔ اسلئے وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرف سے فکر مند

ہو گئے۔ اور مصریوں نے بنی اسرائیل پر تشدد کر کر کے اُن سے کام کرایا اور اُنھوں نے اُن سے سخت محنت سے گارا اور اینٹیں بنوا بنوا کر اور کھیت میں ہر قسم کی خدمت لے لیکر اُنکی زندگی تلخ کی۔ اُنکی سب خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے تشدد کا مظہر تھیں۔

تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے جن میں ایک کا نام سِفرہ اور دوسری کا فوعہ تھا باتیں کیں۔ اور کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچہ جناؤ اور اُنکو پتھر کی بیٹھکوں پر بیٹھی دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو اُسے مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے۔ لیکن وہ دائیاں خدا سے ڈرتی تھیں۔ سوانہوں نے مصر کے بادشاہ کا حکم نہ مانا بلکہ لڑکوں کو جیتا چھوڑ دیتی تھیں۔'' (بائبل ص ۵۴)

یہ مضمون خود وضاحت کرتا ہے کہ فرعون نے یہ مہم بنی اسرائیل کی کثرت اور بڑھتی ہوئی آبادی دیکھ کر شروع کی تھی۔

الربط: تشریح کے اندر گزر چکا ہے۔ نیز جب اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر کیا کہ وہاں کسی بڑے آدمی کی سفارش کام نہیں آئے گی تو (یہ بھی) بیان کیا کہ دنیا میں بھی یہی حال ہے۔ جیسے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے بنی اسرائیل کی آزادی کے لئے وقت کے بادشاہ فرعون سے سفارش کی کیونکہ ان کے بچے قتل کروائے جارہے تھے اور عورتوں کو غلام بنایا جارہا تھا۔ مگر اس نے نہ مانا، اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ ان کا دشمن اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا اور وہ آزاد ہو گئے۔ اور ان کے محل وباغات کے وارث بن گئے۔ (نظم الدرر ج ۱ ص ۳۵۳)

نجینا کم: اصل میں نجی بمعنی جدا ہونا ہے کیونکہ نجات کے وقت مصیبت سے جدا ہوتا ہے۔ اس کے مختلف باب ہیں۔ (المفردات ۱-۵)

''**من ا ٰل فرعون: والآل أهل الرجل وعياله وأيضًا أتباعه وأولياؤه**'' آل بمعنی اہل، عیال، پیروکار اور دوست۔ اصل اس کا أهل ہے۔ ھا کو بدل کر ہمزہ کر دیا گیا ہے پھر أأل ہوا پھر دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا تو آل ہوا۔ اس کی تصغیر اویل اور اہیل آتی ہے۔ مثلاً سورت انفال (۵۲) میں ہے ﴿**كدأب اٰل فرعون**﴾ (حالانکہ فرعون کی کوئی اولاد نہیں تھی) امام ابن عرفہ کہتے ہیں: ''**اٰل إليه بدين أو مذهب أو نسب**'' یعنی اس کی طرف دین یا

مذہب یا نسب میں لوٹا۔ جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب﴾ (المؤمن:۴۶) اور آل کا لفظ اکثر عزت والے کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ جیسے ''اٰل الرسول و اٰل السلطان یا اٰل فلان'' (المفردات ص۲۹) مگر ''اٰل الرجل ، اٰل الخیاط'' نہیں کہا جاتا، یا زمان و مکان کی طرف مضاف نہیں ہوگا جیسے اٰل الزمان اور اٰل البلاد نہیں کہا جاتا۔

مگر اھل کا لفظ کم و بیش، چھوٹے بڑے زمان و مکان سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تاج العروس (ج ۷ ص ۲۱۲) اور تفسیر قرطبی (ج ۱ ص ۳۸۱) میں ہے کہ اٰل فرعون اس کی قوم، پیروکار اور اس کے دین پر چلنے والے ہیں۔ اسی طرح اٰل رسول جو کہ آپ ﷺ کے دین و ملت پر ہوں۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوں خواہ ہر زمانے میں، آپ ﷺ کے نسب یا قرابت میں سے ہوں یا نہ ہوں، اور جو شخص آپ ﷺ کے دین و ملت پر نہیں ہے وہ نہ آپ ﷺ کی آل ہے نہ اہل اگرچہ آپ ﷺ کے نسب و قرابت سے ہو اور یہ بات روافض کے عقیدے کے خلاف ہے کیونکہ وہ آل رسول فقط سیدہ فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم وغیرہ کو سمجھتے ہیں. مگر ہمارے لئے قرآن مجید میں دلیل موجود ہے ﴿واغرقنا اٰل فرعون﴾ اور ﴿ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب﴾ أي اٰل دینه، یعنی فرعون کے دین والے، ظاہر ہے کہ (وہ سارے) فرعون کی اولاد نہیں تھے۔

اس کے لئے دوسری دلیل یہ ہے کہ اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ سب متفق ہیں کہ جو شخص مؤمن و موحد نہیں ہے وہ آل محمد ﷺ میں سے نہیں ہے اگرچہ آپ کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے ابولہب و ابوجہل کو آپ ﷺ کی آل میں شمار نہیں کیا جاتا حالانکہ وہ بھی آپ ﷺ کے قریبی عزیز تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو خطاب فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ج اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﴾ (ہود:۴۶)

اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا (آپ ﷺ نے) ظاہر ظہور بغیر (کوئی چیز) چھپائے فرمایا: ((ألا إن اٰل أبي یعني فلانًا لیسوا

لي بأولياء إنما وليّي الله و صالح المؤمنين)) یعنی فلاں کی اولاد میری قرابت ودوستی میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ اور صالح مؤمن لوگ ہی میرے دوست وقریبی ہیں۔

(صحیح مسلم:۲۱۵،دارالسلام:۵۱۹)

اب جو لوگ بھنگ پیتے ہیں اور لمبی مونچھیں رکھتے ہیں، نہ نماز پڑھتے نہ روزہ رکھتے ہیں، خود کو سید کہلا کر لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور بددعا کی دھمکیاں دے کر ان سے مال ومتاع حاصل کرتے رہتے ہیں ان کو ان آیات واحادیث کے مطابق، آل الرسول ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے۔ (بدیع التفاسیر ج ۱ ص ۳۸۲ـ۳۸۰)

معزز قارئین! اس کے بعد درج ذیل انداز سے تفسیر کرتے ہیں:

فرعون : لغوی بحث وحقیقت شخصی

یسومونکم : لغوی شرح اور تفسیر

سوء العذاب : (بڑا عذاب) سخت عذاب یعنی انھیں غلام بنا کر ان سے طرح طرح کی خدمات لینا اور ذلت اور کم درجہ کے کام لینا۔

یذبحون : لغوی بحث　　　　**أبناء کم :** لغوی حل

فائدہ: تفسیر کبیر للرازی (ج ۳ ص ۶۸) سے انسان کے ناحق قتل، نسل کشی اور قتلِ اولاد کی مذمت پر مضمون نقل کرتے ہیں۔

فائدہ: تفسیر رازی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ اپنے اصلی معنی پر ہے یعنی فرعون ان کے بچوں کو قتل کرواتا تھا نہ کہ بڑوں کو جس طرح بعض مفسرین نے کہا ہے۔

یستحیون نساء کم : لغوی حل۔

ذلکم : (گزشتہ) سارے واقعہ کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ کا یہ سارا واقعہ۔

بلاء : لغوی شرح۔ یہاں لکھتے ہیں کہ یہ لفظ مشترک ہے۔

بلاء، بمعنی نعمت اور ابتلاء وشدّت دونوں معانی میں مستعمل ہے لیکن قرائن کی وجہ سے یہاں پہلا معنی لینا صحیح ہے۔ (تفصیل سے مذکور ہے)

سوامی دیانند کی طرف سے قرآن پر اعتراض کے جواب کا انداز

فصل: آریہ مصنف اعتراض کرتا ہے کہ ''جب مسلمان کہتے ہیں کہ خدا لاشریک ہے، پھر یہ فوج کی فوج شریک کہاں سے کردی؟ کیا جو اوروں کا دشمن ہے، وہ خدا کا بھی دشمن ہے؟ اگر ایسا ہے تو ٹھیک نہیں کیونکہ خدا کسی کا دشمن نہیں ہوسکتا (ستیارتھ پرکاش ص ۵۰۵)

[سوامی نے سورۃ البقرۃ کی آیت ۹۸ پر اعتراض کیا ہے۔]

الجواب: اولاً سوامی کے تعصب کی حد یہ ہے کہ اپنا گھر بھی کھنگال کر نہیں دیکھتے۔ خود تمھارا پرمیشور کہتا ہے کہ ''پرمیشور کے اس خزینہ قدرت کی جس کو دیوتا حفاظت کرتے ہیں، کون جان سکتا ہے؟ (اتھروید کانڈ ۱۰ پھاٹک ۲۳، انو واک ۴، منتر ۲۳) نیز منتر (۲۷) میں ہے کہ ''تینتیس دیوتا اس پرماتما کے تقسیم کئے ہوئے فرائض کو پورا کررہے ہیں، وہ اس کی قدرت کے جزوی مظہرات ہیں، جو لوگ اس برہم یعنی ویدمحیط کل ایشور کو پہچانتے ہیں وہی ان تینتیس دیوتاؤں کو جانتے ہیں اور ان کو اسی ایک برہم کے سہارے قائم مانتے ہیں۔''

سماجی مترو: آپ کی کتب میں بار بار توحید اور وحدہ لاشریک لہ کا رٹا لگایا جاتا ہے۔ پھر سناؤ کہ یہ دیوتا کہاں سے آگئے؟ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے فرشتوں پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کی پیدائش بھی اسی کی قدرت سے ہے۔ وھو الثانی.

ثالثاً: پنڈت جی کے علم کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا ذکر آیا تو اسے بھی شرک سمجھتے ہیں حتیٰ کہ کلمہ طیبہ کو بھی شرک کہتے ہیں۔ ایسی مثالیں جابجا آئیں گی۔ کیونکہ ان کی عمر غیر کی پوجا میں گزری۔ بے چارے سانپ و اژدھے کے پجاری مسلمانوں کی پکاریں اور دلائل سن کر کہیں جا کے توحید کا نام زبان پہ لائے ہیں۔ مگر ابھی تک انھیں پتا نہیں ہے کہ توحید کیا ہے اور شرک کیا ہے۔

رابعاً: یہ بھی ان کا کہنا عجیب ہے کہ خدا کسی کا دشمن نہیں ہے۔ مگر سوامی صاحب کا قصور نہیں ہے بلکہ ان کا حافظہ کمزور ہے۔ آریہ صاحبان بغور ایشور کا پرمان سنیں: ''میں بدکار ظالموں کو

کبھی اشیر باد (نیک دعا) نہیں دیتا۔'' (رِگ وید اشٹک نمبر ا، ورگ ۱۸، منتر ۱۲) اب سنائیں کہ ایشور کسی کو اشیر باد نہیں دیتے؟ وہی ہیں جن کے لئے قرآن کہتا ہے کہ ﴿فان اللّٰہ عدو للکافرین﴾ (البقرۃ: ۹۸)

خامساً: اللہ تعالیٰ کی دشمنی کو سوامی صاحب اپنی دشمنی پر قیاس نہ کریں۔ کیونکہ سوامی صاحب تو چاہیں گے کہ اپنے دشمنوں کو ایک لحظہ میں فنا کر دیں مگر رب العالمین کی شان اس سے کہیں بلند و برتر ہے۔

سادساً: اللہ تعالیٰ ہر ایک کا دشمن نہیں ہے۔ بلکہ جو پہلے خود اس کا دشمن بنتا ہے (اس کا دشمن ہے) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ (البقرۃ: ۹۸) اس کا جو سوامی صاحب نے ترجمہ کیا ہے اس کا سر ہے نہ پیر۔

قارئین کرام! غور کریں اور ان کا حال دیکھیں کہ انھیں غلط بیانی میں کتنا انند (مزہ) حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ خود بھومکا (ص ۵۲) میں لکھتے ہیں کہ ''آگے پیچھے نہ دیکھنے والے جاہلوں کو علم کہاں؟

بدیع التفاسیر کی خصوصیات وامتیازات

ا۔ سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ یہ ایک ایسی تفسیر ہے جو کہ ہر طرح سے سلف صالحین اور اہلِ حدیث کے مذہب کے مطابق ہے۔

۲۔ ایمانی، اعتقادی اور اصولی مسائل میں خالص اور کھرا مسلک اپنایا گیا ہے۔ مثلاً ہر اس قول اور مذہب سے اجتناب کیا گیا ہے جس میں کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید، انبیاء کرام، ملائکہ، کتب سماوی وغیرہ پر ایمان اور ان کے شان واحترام کے منافی یا ادنیٰ سے ادنیٰ شبہ پایا جاتا ہے۔

مثلاً (ا) سورۃ البقرۃ کی آیت: ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ میں لام کو بمعنی ''اِلٰی '' کے ماناہے اور آدم علیہ السلام ایک قبلہ کی حیثیت میں تھے اور اس قول کی تردید کی ہے کہ اُمم سابقہ میں

سجدۂ تعظیم حلال تھا۔

(۲) سورۂ یوسف کی آیت: ﴿رایتھم لی سٰجدین﴾ کا بھی یہی معنی کرتے ہیں یعنی ﴿رأیتھم﴾ إلی ﴿ساجدین﴾ اورآیت ﴿وخروا له سجدا﴾ کی بھی یہی تفسیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یہاں پر مفسرین سجدہ کی مختلف توجیہات لکھتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس پر اطمینان ہو۔ان پر کوئی نہ کوئی اشکال یا اعتراض وارد ہوتا ہے۔

(بدیع التفاسیر ج۱۵/۵۸۸)

(۳) سورۃ البقرۃ کی آیت: ﴿وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَا رُوْتَ﴾ کی تفسیر میں ہاروت وماروت کو ''الشیاطین'' سے بدل مانتے ہیں۔وما انزل کی ''ما'' کونافیہ کہتے ہیں اوراس نظریے کا رد کرتے ہیں کہ ہاروت وماروت نامی دوفرشتوں کوبطورآزمائش بابل شہر میں بھیجا گیا تھا۔وغیرہ

(۴) سورۃ الانفال کی آیت: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں ومن اتبعك کا عطف لفظ اللہ پر سمجھنے کوغلط کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ عقیدۂ توحید کے خلاف ہے بلکہ کہتے ہیں کہ یہاں پر'' حسبك '' کے کاف پر عطف ہے یہی جمہور مفسرین کا قول ہے مثلاً ابن جریر، ابن کثیر، ابن جوزی، رازی، زمخشری وغیرہم اور امام نحاس بھی اس قول کواعراب القرآن (ص۱۹۴ج۲) میں راجح قرار دیتے ہیں اور باعتبار معنی اورعقیدہ کے یہی معنی صحیح ہےاور کہتے ہیں کہ ضمیر مجرور (متصل) پرحرف جارہ کی تکرار کے بغیر عطف کرنا نحویوں کے مختار مذہب کے مطابق جائز ہے۔اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ دوسری تقدیر یوں ہوسکتی ہے کہ واؤ کا معنی ''مع'' ہےاورمن منصوب موضع کاف پر معطوف ہے معنی ہوگا'' آپ کے لئے اللہ تعالیٰ اکیلا کافی ہےاور جوتمھارے پیروی کرنے والے مومن ہیں ان کے لئے بھی وہی اکیلا کافی ہے۔'' تیسری توجیہ بھی کی گئی ہے یعنی مَن موصولہ مع صلہ مبتدا ہے(یوں سمجھنا چاہئے)''و من اتبعك من المؤمنين فحسبهم الله ''(ج۹،۲۳، ۲۲۱)

(۵) سورۂ یوسف میں اس نظریے کا رد کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی پیغمبر

تھے۔ پھران کے گناہ ذکر کرتے ہیں۔ (ج ۱۰/۳۹۹)

سورۃ البقرۃ کی آیت: ﴿ فَتَلَقّٰىٓ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

''انبیاءکرام صغائر و کبائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ غیر ارادی طور پر ان سے بعض افعال سرزد ہوتے ہیں یعنی بھول یا نسیان ہوسکتا ہے۔ (یا بعض اعمال) وہ نیکی کی نیت سے کرتے ہیں اور اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔ (ج ۲/۲۸۲)

(۶) سورۂ یوسف کی آیت: ﴿اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں بعض کہتے ہیں ''انـہ'' کی ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹتی ہے اور دوسرے کہتے ہیں سید عزیز مصر (یعنی اس عورت کے شوہر) کی طرف لوٹتی ہے مگر پہلا معنی صحیح ہے کیونکہ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہی کام آتا ہے، اسی لئے انھوں نے کہا: مـعـاذ اللّٰـه (اللہ کی پناہ) اور عزیز مصر کو'' ربـی '' میرا رب کہنا، یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام حقیقت میں اس کے غلام نہیں تھے۔ نیز اللہ کا نبی مخلوق کو اپنا رب کہے یہ بعید از عقل ہے۔ نیز مرجع قریب لفظ اللہ ہی ہے اور عزیز کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ مجاہد، سدی اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل بعید از عقل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی مخلوق کو اپنا رب کہے اگرچہ اس سے مراد سردار یا سید (مارک) ہی کیوں نہ... الخ۔

(۷) اس سے اگلی آیت: ﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ﴾ کے باب میں عام تفاسیر میں جو من گھڑت اور اسرائیلی روایات آئی ہیں کہ نعوذ باللہ یوسف علیہ السلام نے بھی ابتدا میں برائی کا ارادہ کیا تھا لیکن جب انھوں نے ''بر ھان'' دیکھا تو پھر ہٹ گئے اور نعوذ باللہ برائی کے لئے تیار ہو چکے تھے وغیرہ۔ ان اقوال و روایات اور نظریے کا زبردست اور طویل رد کیا ہے اور ترجمہ تقدیم و تأخیر کے حساب سے کیا ہے یعنی اصل میں عبارت اس طرح سمجھنی چاہئے ''ولولا ان رأى برهان ربه هم بها''یعنی ان کے رب کا برہان نہ ہوتا تو وہ بھی ارادہ کر چکے ہوتے اور برہان کے باب میں جو روایات نقل کی گئی ہیں ان کو بھی غیر صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ برہان سے مراد نبوت ہے پھر آیات قرآنیہ دلائل

کے طور پر لائے ہیں اور پھر کہتے ہیں ''نبوت صاحبِ نبوت کے لئے عصمت کی ضمانت ہے اور بحیثیت تقاضائے بشریت یوسف علیہ السلام کا اس امتحان میں بچنا مشکل تھا لیکن نبوت کا اعزاز ان کے لئے ضمانت تھا۔ (ج ۱۰۔ ۴۲۵، ۴۳۰) اس طرح کی کئی مثالیں ہیں۔

(۸) اول سے آخر تک توحید و صفات کے مسائل کو سلف صالحین کے مذہب کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور ان مسائل میں غلط استدلال اور غیر سلیم اقوال کا رد کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ اس درجہ اور اس قدر دوسری کسی تفسیر میں آپ کو شاید نہ ملے۔ مجھے اب تک کے بدیع التفاسیر کے مطالعہ سے فقط ایک مسئلہ ملا ہے جس سے متعلق اختلاف رکھا جا سکتا ہے اور وہ ہے سورۃ النساء کی آیت ﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ (۱۷۲) کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس آیت کی ترتیب سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ ساری مخلوق میں سے افضل ہیں۔ (ج ۶ ص ۳۶۔ ۵۳۵)

(۹) تفسیر وفقہ کو جمع کر دیا گیا ہے مثلاً جو آیت یا جزء الآیۃ یا کلمہ کسی مسئلہ پر دلالت کرتا ہے تو اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مثلاً آیت سورۃ الفاتحہ کی تفسیر سے قبل ''**اعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم**'' کے تحت تعوذ کے مسائل۔

سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں **بسملة بالجهر**، قراءۃ الفاتحہ خلف الامام، آمین، شرح الاسماء الحسنٰی، مدرک الرکوع کی رکعت وغیرہ مسائل نہایت تحقیق سے بیان کئے ہیں۔

معزز قارئین! میں نے اپنے ناقص علم کے مطابق اس عظیم تفسیر کے متعلق کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے مجھے اعتراف ہے کہ میں اس کے لائق و اہل نہیں ہوں شاید مجھ سے غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہوں اور ان غلطیوں کا ذمہ دار مجلۃ ''الحدیث'' نہیں بلکہ میں خود ہوں۔ میری اس کاوش سے شاید کسی اہل علم کو اس تفسیر کے متعلق مزید لکھنے کی رغبت ہو۔

میری ٹوٹی پھوٹی اردو زبان جو ادب و لغت کے اصول سے ہٹ کر ہے لیکن اس عبارت میں بھی امید ہے کی آپ کو کچھ نہ کچھ معلومات تو ضرور حاصل ہو چکی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاح عقیدہ، عملِ صالح اور اخلاص کی نعمت سے نوازے۔ (آمین)

حافظ زبیر علی زئی

صحیح بخاری کا دفاع

(آخری قسط)

تقدیر کے بہانے سے نیکی کے نہ کرنے اور گناہوں کے کرنے پر استدلال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جس نے گناہ کیا تو شریعت میں اس کی ایک مقرر سزا ہے۔ اگر اس نے اپنے گناہ کا یہ عذر پیش کیا کہ یہ اس کی قسمت میں تھا تو اسے شرعی سزا دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اس گناہ کی یہ سزا بھی تیری قسمت میں تھی۔

حدیث میں جو آیا ہے کہ آدم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان تقدیر پر بحث ومباحثہ ہوا تھا۔ یہ گناہ کرنے پر تقدیر سے استدلال والا معاملہ نہیں ہے۔ یہ تو اس مصیبت کا ذکر ہے جو معصیت کے سبب واقع ہوئی تھی۔

(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم اور موسیٰ نے بحث ومباحثہ کیا تو موسیٰ نے آدم سے کہا: تُو وہ آدم ہے جسے اس کی خطا (لغزش) نے جنت سے نکال دیا تھا۔ تو آدم نے جواب دیا: تُو وہ موسیٰ ہے جسے اللہ نے رسالت اور کلام کرنے سے نوازا۔ پھر تو مجھے اس چیز پر ملامت کرتا ہے جو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا: پس آدم موسیٰ (علیہما السلام) پر غالب آ گئے۔ (صحیح بخاری:۳۴۰۹ و صحیح مسلم:۲۶۵۲)

ابن القیم نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' میں اس حدیث پر بحث کے لئے تیسرا باب قائم کیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کی تشریح میں باطل اقوال کا (بطورِ رد) ذکر کیا اور وہ آیات ذکر کیں جن میں آیا ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر تقدیر سے استدلال کرتے تھے۔ اللہ نے ان مشرکین کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ وہ اپنے شرک و کفر پر قائم (اور ڈٹے

ہوئے) تھے۔ انھوں نے جو بات کہی وہ حق ہے لیکن اس کے ساتھ باطل پر استدلال کیا گیا ہے۔ پھر انھوں نے اس حدیث کے معنی پر دو توجیہات ذکر کیں، پہلی توجیہ اُن کے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ہے اور دوسری اُن کے اپنے فہم واستنباط سے ہے:

ابن القیم فرماتے ہیں کہ'' جب آپ نے اسے پہچان لیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اللہ اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر تھے لہذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اُس خطا پر ملامت کریں جس سے خطا کرنے والے نے توبہ کر رکھی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اسے (اپنے لئے) چُن لیا، راہنمائی کی اور خاص منتخب کر لیا۔ آدم (علیہ السلام) اپنے رب کے بارے میں سب سے زیادہ پہچان رکھتے تھے کہ وہ معصیت پر قضا وقدر سے استدلال کریں۔ بات یہ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے آدم (علیہ السلام) کو اُس مصیبت پر ملامت کی تھی جس کے سبب سے اولادِ آدم کا جنت سے خروج اور دنیا میں نزول ہوا، جو آزمائش اور امتحان کا گھر ہے۔ اس کی وجہ اولادِ آدم کے باپ (سیدنا آدم علیہ السلام) کی لغزش ہے۔ پس انھوں نے لغزش کا ذکر بطورِ تنبیہ کیا، اس مصیبت اور آزمائش پر جو آدم علیہ السلام کی ذریت واولاد کو حاصل ہوئی۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے فرمایا:'' آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکال دیا''، بعض روایات میں '' خَيَّبْتَنَا '' (آپ نے ہمیں محروم کر دیا) کا لفظ آیا ہے۔ پس آدم (علیہ السلام) نے مصیبت پر تقدیر سے استدلال کیا اور فرمایا: بے شک یہ مصیبت جو میری لغزش کی وجہ سے میری اولاد کو پہنچی، میری تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ تقدیر سے مصیبتوں میں استدلال کیا جا سکتا ہے لیکن عیوب (اور گناہوں کے جواز) میں اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی آپ مجھے اس مصیبت پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے اتنے سال پہلے، میرے اور آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی، یہ جواب ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) رحمہ اللہ کا ہے۔ اس کا دوسرا جواب بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ پر تقدیر سے استدلال بعض جگہ فائدہ دے سکتا ہے اور بعض جگہ نقصان دہ ہے۔ اگر گناہ کے واقع ہونے کے بعد آدمی توبہ کرے اور دوبارہ یہ گناہ نہ کرے تو تقدیر سے استدلال کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آدم (علیہ السلام) نے

(اپنی لغزش کے بعد) کیا۔اس طریقے سے تقدیر کے ذکر میں توحید اور رب تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت ہے۔اس کے ذکر سے بیان کرنے والے اور سننے والے کو نفع ہوتا ہے کیونکہ تقدیر (کے ذکر) سے کسی امر ونہی کی مخالفت نہیں ہوتی اور نہ شریعت کا ابطال ہوتا ہے۔ بلکہ محض حق کو توحید اور تبدیلی وقوت سے برأت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔اس کی توضیح اس سے (بھی) ہوتی ہے کہ آدم (علیہ السلام) نے موسیٰ (علیہ السلام) سے فرمایا:

''کیا آپ میرے اس عمل پر ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں لکھا ہوا تھا؟'' جب آدمی گناہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو وہ معاملہ اس طرح زائل اور ختم ہو جاتا ہے گویا کہ یہ کام ہوا ہی نہیں تھا۔ پس اب اگر کسی ملامت کرنے والے نے اسے اس گناہ پر ملامت کیا تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقدیر سے استدلال کرے۔اور کہے:''یہ کام میری پیدائش سے پہلے میرے مقدر میں تھا''اس آدمی نے تقدیر کے ذریعے سے حق کا انکار نہیں کیا، نہ باطل پر دلیل قائم کی ہے اور نہ ممنوع بات کے جواز پر حجت بازی کی ہے۔

رہا وہ مقام جس پر تقدیر سے استدلال نقصان دہ ہے وہ حال اور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے۔یعنی کوئی آدمی فعلِ حرام کا ارتکاب کرے یا کسی واجب (فرض) کو ترک کر دے، پھر کوئی آدمی اسے اس پر ملامت کرے تو پھر وہ گناہ پر قائم رہنے اور اصرار کرنے میں تقدیر سے استدلال کرے۔یہ شخص اپنے استدلال سے حق کو باطل کرنا اور پھر باطل کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت پر اصرار کرنے والے کہتے تھے: ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے (الانعام:۱۴۸) ﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (معبودانِ باطلہ) کی عبادت نہ کرتے۔ (الزخرف:۲۰)

انھوں نے اپنے باطل عقائد کو صحیح سمجھتے ہوئے تقدیر سے استدلال کیا۔انھوں نے اپنے (شرکیہ وکفریہ) فعل پر کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا نہ اس کے ترک کا ارادہ کیا اور نہ اس کے فاسد ہونے کا اقرار کیا۔یہ اس آدمی کے استدلال سے سراسر مخالف ہے جس پر اُس کی

غلطی واضح ہو جاتی ہے، وہ نادم (پشیمان) ہو جاتا ہے اور پکا ارادہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔ پھر اس (توبہ) کے بعد اگر کوئی اسے ملامت کرے تو کہتا ہے: ''جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ کی تقدیر کی وجہ سے ہوا ہے۔'' اس مسئلے کا (بنیادی) نکتہ یہ ہے کہ اگر وجۂ ملامت دُور ہو جائے تو تقدیر سے استدلال صحیح ہے اور اگر وجۂ ملامت باقی رہے تو تقدیر سے استدلال باطل ہے...'' (شفاء العلیل ص۳۵، ۳۶)

تقدیر کے بارے میں قدریہ اور جبریہ دونوں فرقے گمراہ ہوئے ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں، اللہ نے یہ افعال ان کی تقدیر میں نہیں لکھے۔ ان کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی حکومت میں بندوں کے جو افعال واقع ہوتے ہیں، وہ اس کے مقدر (مقرر شدہ) نہیں ہیں۔ یہ بندے اپنے افعال پیدا کرنے میں اللہ سے بے نیاز ہیں اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا خالق نہیں ہے بلکہ بندے اپنے افعال کے خالق ہیں۔ یہ عقیدہ بہت ہی باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کا خالق ہے اور بندوں کے افعال کا (بھی) خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتوں اور صفتوں سب کا خالق ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾

کہہ دو کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا قہار (سب پر غالب) ہے۔ (الرعد:۱۶)

اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾

اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر وکیل (محافظ ونگران) ہے۔ (الزمر:۶۲)

اور فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم جو اعمال کرتے ہو انھیں (بھی) پیدا کیا ہے۔ (الصّٰفّٰت:۹۶)

جبریہ (فرقے) نے بندوں سے اختیار چھین لیا ہے، وہ اس کے لئے کسی مشیئت اور ارادے کے قائل نہیں ہیں۔ انھوں نے اختیاری حرکات اور اضطراری حرکات کو برابر کر دیا ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی ساری حرکات اس طرح ہیں کہ جس طرح درختوں کی حرکات ہیں۔ کھانے والے، پینے والے، نمازی اور روزہ دار کی حرکات اس طرح ہیں جیسے

رعشہ والے کی حرکات ہوتی ہیں، ان میں انسان کے کسب اور ارادے کا کوئی کام نہیں ہوتا۔

اس طرح رسولوں کے بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے کا کیا فائدہ رہ جاتا ہے؟ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کے پاس مشیئت اور ارادے کی طاقت ہے۔ اچھے اعمال پر اس کی تعریف ہوتی ہے اور بُرے اعمال پر اس کی مذمت ہوتی ہے اور اُسے سزا ملتی ہے۔ بندے کے اختیاری افعال اسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں (یعنی نیکی و بدی کا مرتکب وہی ہوتا ہے) رہی اضطراری حرکات جیسے رعشہ والے کی حرکت تو یہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ اس کا فعل ہے۔ یہ تو اس کی ایک صفت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو فاعل کی تعریف میں نحوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ اسم مرفوع ہے جو اُس پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی حَدَث (فعل) صادر ہوتا ہے یا جس کا وہ قام بـــہ ہوتا ہے یعنی اس کا صدور اس سے ہوتا ہے۔ حَدَث سے اُن کی مراد وہ اختیاری افعال ہیں جو بندے کی مشیئت اور ارادے سے واقع ہوتے ہیں۔ قیامِ حدث سے ان کی مراد وہ اُمور ہیں جو مشیئت کے تحت نہیں آتے جیسے موت، مرض اور ارتعاش (رعشہ) وغیرہ۔ پس اگر کہا جائے کہ زید نے کھایا، پیا، نماز پڑھی اور روزہ رکھا تو اس میں زید فاعل ہے جس سے حَدَث (فعل) حاصل ہوا ہے۔ یہ حَدَث کھانا، پینا، نماز اور روزے ہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ زید بیمار ہوا، زید مر گیا یا اس کے ہاتھوں میں رعشہ ہوا تو یہ حَدَث زید کے (ارادی) فعل سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی صفت ہے جس کا صدور اُس سے ہوا ہے۔

اہل السنّت والجماعت اثبات تقدیر میں غالی جبریوں اور انکار کرنے والے قدریوں کے درمیان ہیں۔ انھوں نے بندے کیلئے مشیئت کا اثبات کیا ہے اور رب کیلئے مشیئت عام کا اثبات کرتے ہیں۔ انھوں نے بندے کی مشیئت کو اللہ کی مشیئت کے تابع قرار دیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَاتَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اس کے لئے جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ (التکویر: ۲۸، ۲۹)

اللہ کی حکومت میں جو وہ نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے برخلاف قدریہ کہتے ہیں کہ ''بندے اپنے افعال پیدا کرتے ہیں'' بندوں کو ان چیزوں پر عذاب نہیں ہوسکتا جن میں اُن کا کوئی ارادہ ہے اور نہ مشیئت جیسا کہ جبریہ کا قول ہے۔ اسی میں اُس سوال کا جواب ہے جو کہ بار بار کیا جاتا ہے کہ کیا بندہ مجبور محض ہے یا وہ (کُلی) بااختیار ہے؟ تو (عرض ہے کہ) نہ وہ مطلقاً مجبورِ محض ہے اور نہ مطلقاً بااختیار ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک اعتبار سے بااختیار ہے کہ اسے مشیئت اور ارادہ حاصل ہے۔ اور اس کے اعمال اُسی کا کسب (کمائی) ہیں۔ نیک اعمال پر اسے ثواب ملے گا اور بُرے اعمال پر اسے سزا ملے گی۔ وہ ایک اعتبار سے مُسَیَّر (مجبور) ہے۔ اس سے ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہوتی جو اللہ کی مشیئت، ارادے، تخلیق اور ایجاد سے خارج ہو۔

جو بھی ہدایت اور گمراہی (بندے کو) حاصل ہوتی ہے تو وہ اللہ کی مشیئت اور ارادے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے بندوں کے لئے خوش بختی کا راستہ اور گمراہی کا راستہ، دونوں واضح کر دیئے ہیں۔ اللہ نے بندوں کو عقل دی ہے جس سے وہ نفع اور نقصان کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ جو شخص خوش بختی کا راستہ اختیار کرکے اس پر چلا تو اسے یہ خوش بختی کا راستہ (جنت) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیئت اور ارادے سے واقع ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیئت اور ارادے کے تابع ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ جس شخص نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور اس پر چلا تو یہ اسے بدبختی (یعنی جہنم) کی طرف لے جائے گا۔ یہ کام بندے کی مشیئت اور ارادے سے ہوا ہے جو کہ اللہ کی مشیئت اور ارادے کے تابع ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عدل و انصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾

کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور اسے دو راستوں (یعنی شر اور خیر) کی طرف راہنمائی نہیں کی؟ (البلد:۸-۱۰)

اور فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ہم نے اسے راستہ دکھایا تاکہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کافر بنے۔ (الدّھر:۳)

نیز فرمایا: ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ جسے اللہ نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اُس نے گمراہ کیا تو آپ اس کا ہرگز کوئی ولی (مددگار) مرشد وہدایت دینے والانہیں پائیں گے۔ (الکھف:۱۷)

ہدایتیں دو طرح کی ہیں: (۱) ہدایتِ دلالت وارشاد، یہ ہر انسان کو حاصل ہے یعنی ہر انسان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ ہدایت اسلام پر چلے۔

(۲) ہدایتِ توفیق، یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے۔

پہلی ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) کی طرف راہنمائی کرتے ہیں (الشوریٰ:۵۲) یعنی آپ ہر ایک کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ دوسری ہدایت کی دلیلوں میں سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ آپ جسے (ہدایت دینا) چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (القصص:۵۶)

اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں ہدایتیں اس ارشاد میں اکٹھی کردی ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بُلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (یونس:۲۵)

''اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے'' یعنی ہر ایک کو (بلاتا ہے۔) مفعول کو عموم کے لئے حذف کیا گیا ہے اور یہ ہدایت دلالت وارشاد ہے۔ ''اور جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے'' اس میں خصوصیت قائم کرنے کے لئے مفعول کو ظاہر کر دیا گیا ہے اور یہ ہدایت توفیق ہے۔ (شرح حدیث جبریل ص۹۶ تا ۱۱۱)

مجرم (۳۹): ''ابو ہریرہؓ حدیث کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے۔ وہ جب چاہتے احادیث گھڑ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے بے شمار من گھڑت حدیثیں لوگوں تک پہنچائیں۔ (امام بخاری بحوالہ رسالہ ''البلاغ'' صفحہ۳، جوہانس برگ)'' (اسلام کے مجرم ص۶۹)

الجواب: یہ بالکل صحیح ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے لیکن یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ''وہ جب چاہتے احادیث گھڑ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے بے شمار من گھڑت حدیثیں لوگوں تک پہنچائیں'' یہ بات نہ امام بخاری نے فرمائی اور نہ اُمتِ مسلمہ کے کسی ایک امام نے، یہ بات نہ صحیح بخاری میں ہے اور نہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں لہٰذا ڈاکٹر شبیر احمد (منکرِ حدیث) نے جھوٹا حوالہ پیش کیا ہے۔ رسالہ البلاغ کس (کذاب) کا ہے؟ ہم نہیں جانتے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ کراچی کے دیوبندیوں کا رسالہ البلاغ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اعلیٰ درجے کے سچے، ثقہ فقیہ مجتہد اور جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کے مختصر فضائل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (۳۶،۳۵) اور صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ (ص۱۰۱ تا۱۱۴)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے علمائے حق نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے درج ذیل دو کتابیں انتہائی اہم ہیں:

① **دفاع عن أبي هريرة** (تصنیف عبدالمنعم صالح العلی العزی)

② **الأنوار الكاشفة** (ص۱۴۰ تا ۲۲۸، تصنیف الشیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ)

فائدہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سات سو سے زیادہ راویوں نے حدیث بیان کی ہے۔ دیکھئے دفاع عن ابی ہریرۃ (ص۲۷۳ تا ۳۱۴) اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ سو سے زیادہ راویوں نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ [ماہنامہ الحدیث حضرو:۳۲]

مجرم (۴۰): ''قرآن کی دو آیتیں کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی تھیں.... میری بکری آئی اور انہیں کھا گئی۔ (روایت عائشہ صدیقہؓ صحاح ستہ بخاری تا ابن ماجہ) حالانکہ اللہ فرماتا ہے یہ قرآن میں نے نازل کیا اور میں ہی اس کا محافظ ہوں۔'' (اسلام کے مجرم ص۷۷)

الجواب: یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن الترمذی اور سنن النسائی میں ان الفاظ کے ساتھ قطعاً موجود نہیں ہے لہٰذا منکرِ حدیث نے ایک ہی سانس میں ان پانچوں

محدثین پر کالا جھوٹ بولا ہے۔ سنن ابن ماجہ (۱۹۴۴) ومسند احمد (۲۶۹/۶) میں یہ روایت محمد بن اسحاق بن یسار کی سند سے موجود ہے اور ابن اسحاق نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

جن دو آیتوں کے بارے میں اس روایت میں آیا ہے کہ انھیں بکری کھا گئی تھی وہ آیت رجم اور رضاعۃ الکبیر عشراً (بڑے آدمی کو دس دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت کا ثابت ہونا) تھیں۔

آیتِ رجم کی تلاوت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی منسوخ ہو گئی تھی۔ دیکھئے تفسیر ابن ابی حاتم (۲۰۰/۱ ح ۱۰۵۷ وسندہ حسن عن اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی رحمہ اللہ وھو صدوق حسن الحدیث) لیکن شادی شدہ زانی کے لئے رجم کا حکم باقی رہا۔

رضاعۃ الکبیر عشراً والی آیت بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منسوخ ہو گئی تھی۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۴۵۲، دارالسلام: ۳۵۹۷) موطأ امام مالک (۶۰۸/۲ ح ۱۳۳۰) اس آیت کا حکم بھی منسوخ ہو گیا تھا۔

چونکہ ان دونوں آیتوں کی تلاوت منسوخ ہو گئی تھی لہٰذا قرآنِ مجید میں ان کے لکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے لہٰذا اس کے حکم سے بکری نے اس چیز کو کھا لیا جس پر یہ دونوں آیتیں لکھی ہوئی رہ گئی تھیں۔ منسوخ التلاوت آیتوں کے ضائع ہونے سے قرآنِ مجید پر کوئی فرق نہیں آیا بلکہ قرآن کامل مکمل اور پورے کا پورا مسلمانوں کے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ والحمد للہ

ڈاکٹر شبیر احمد (منکرِ حدیث) کی اس کتاب کے شروع میں کذاب ودجال اراکینِ شوریٰ نے لکھا ہے کہ ''قرآن کریم دو آیات میں فرماتا ہے کہ جو شخص آپؐ کو جادو زدہ (مسحور) سمجھے وہ ظالم ہے لیکن چونکہ بخاری لکھ گیا ہے کہ ایک یہودی نے آپؐ کے ناخن اور بال حاصل کر کے اور گڑیا پر سوئیاں چبھو کر آپؐ پر جادو کر دیا تھا تو ہمارا مولوی اور اس کے سکھائے ہوئے عوام قرآن کو چھوڑ کر جادو کی روایت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بات پھر آگے چلتی ہے۔ کتاب اللہ کی آخری دو سورتوں کو معوذتین اور جادو نظر بد جنتر منتر وغیرہ کا توڑ سمجھ لیا گیا۔ قرآن کے آفاقی علم وحکمت کو خاک کی آغوش میں ملا دیا گیا۔''

(اسلام کے مجرم ص ۸، ۹)

عرض ہے کہ بے شک جو شخص رسول اللہ ﷺ کو مسحور یعنی مخدوع اور مغلوب العقل سمجھتا ہے (دیکھئے تفسیر واحدی/الوسیط ۳/ ۱۱۱) وہ بڑا ظالم اور کافر ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبی پر جادو کا کچھ وقتی اثر نہیں ہوسکتا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کے جادو کی وجہ سے یہ اثر ہوا تھا کہ آپ خوف زدہ ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ڈرو نہیں۔ تم ہی اعلیٰ ہو، اپنے دائیں ہاتھ میں جو (عصا) ہے اُسے پھینکو، یہ ان کی چال کو ختم کردے گا۔

دیکھئے سورۃ طٰہٰ آیت: ۶۷ تا ۶۹

رسول اللہ ﷺ خیر البشر ہیں۔ بشر کی طرح آپ پر بھی بیماری کا اثر ہوسکتا ہے۔ یہودیوں کے جادو کا آپ پر صرف کچھ دن یہ اثر ہوا تھا کہ آپ دنیا کی باتیں بھول جاتے تھے۔ دین کی باتوں پر یہ اثر قطعاً نہیں ہوا تھا لہٰذا دین اسلام محفوظ ہے۔ والحمد للہ

نیز دیکھئے یہی کتاب ص ۲۲، ۲۳، ۳۵۔ ۳۷، اور ماہنامہ الحدیث: ۲۴ ص ۱۸، ۱۹

نام نہاد ڈاکٹر شبیر احمد (منکرِ حدیث) کے صحیح بخاری پر اعتراضات کا جواب مکمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مبتدعین ومنکرین کی ہدایت کا ساماں اور عام مسلمانوں کے لئے ایمان زیادہ ہونے کا باعث بنائے۔ (آمین)

وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب .

(۲۹/ رمضان ۱۴۲۸ھ، ۱۵/ اکتوبر ۲۰۰۷ء)

وضاحت

ماہنامہ الحدیث: ۴۷ ص ۱۳، ۱۴ میں سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت ''شہید اپنے گھر والوں میں سے ستر کی شفاعت کرے گا'' کی تحقیق شائع ہوئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ بطورِ وضاحت عرض ہے کہ سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور (شہید) اپنے رشتہ داروں میں سے ستر انسانوں کی شفاعت کرے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۹۹ وسندہ حسن، وصححہ الترمذی: ۱۶۶۳)

یہ روایت حسن لذاتہ ہے لہٰذا اس شاہد کے ساتھ ابن ماجہ والی روایت بھی حسن لغیرہ ہے۔

وما علینا إلا البلاغ — حافظ زبیر علی زئی (۶/ اپریل ۲۰۰۸ء)

ابن بشیر الحسینوی

جوتے کے احکام

انسان کی روزمرہ زندگی میں جوتے کی اہمیت مسلّم ہے۔ دن اور رات میں کتنے ہی ایسے مواقع آتے ہیں کہ کبھی جوتا پہنا جاتا ہے تو کبھی اتارا جاتا ہے، اس کا اندازہ لگانا کافی مشکل ہے لیکن افسوس کہ اکثر مسلمان جوتے کے احکام سے ناواقف ہیں۔ اسی سوچ کے پیشِ نظر کہ ہمارے ہر مسلمان بھائی اور بہن کو ''جوتے کے احکام'' معلوم ہونے چاہئیں تا کہ وہ ان پر عمل کرسکیں لہٰذا انتہائی اختصار کے ساتھ ''جوتے کے احکام'' پیشِ خدمت ہیں:

ا۔ پہلے دایاں جوتا پہننا چاہئے پھر بایاں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**إذا انتعل أحدکم فلیبدأ بالیمین ...**)) جب تم میں سے کوئی شخص جوتا پہنے تو پہلے دایاں جوتا پہنے...

(صحیح البخاری: ۵۸۵۶، صحیح مسلم: ۲۰۹۷، دارالسلام: ۵۴۹۵)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''**کان النبي صلی اللہ علیہ وسلم یعجبه التیمن في تنعله و ترجله و طهوره و في شأنه کله**''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے غرضیکہ اپنے ہر کام میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۱۶۸، صحیح مسلم: ۲۶۸، دارالسلام: ۶۱۷)

۲۔ جوتا پہن کر چلنا مسنون ہے

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**استکثروا من النعال ، فإنّ الرجل لایزال راکبًا ما انتعل**)) اکثر اوقات جوتیاں پہنے رہا کرو کیونکہ جوتیاں پہننے سے آدمی سوار رہتا ہے۔ (یعنی مثل سوار کے پاؤں کو تکلیف نہیں پہنچتی)

(صحیح مسلم: ۲۰۹۶، دارالسلام: ۵۴۹۴)

معلوم ہوا کہ اکثر اوقات جوتے پہن کر چلنا چاہئے مگر کبھی کبھی ننگے پاؤں چلنا بھی جائز ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۵۸۵۵،صحیح مسلم:۲۰۹۷)

بعض الناس محرم الحرام کے خاص دنوں میں ننگے پاؤں چلتے ہیں یہ عمل غیر مسنون اور بدعت ہے۔

۳۔ جوتا اتارتے وقت پہلے بایاں جوتا اتارنا چاہئے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**إذا انتعل أحدكم فليبدأ باليمين و إذا انتزع فليبدأ بالشمال لتكن اليمنى أوّلهما تنعل و آخرهما تنزع**)) جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے دایاں جوتا پہنے اور جب اتارے تو پہلے بایاں اتارے اور دایاں جوتا پہننے میں پہلا اور اتارنے میں آخر ہو۔

(صحیح البخاری:۵۸۵۶،صحیح مسلم:۲۰۹۷،دارالسلام:۵۴۹۵)

۴۔ ایک جوتا پہن کر چلنا ممنوع ہے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**لايمشِ أحدكم في نعل واحدة ، لينعلهما جميعًا أو ليحفهما جميعًا**))

تم میں سے کوئی ایک جوتے میں مت چلے، دونوں پہنے یا پھر دونوں ہی اتار دے۔

(صحیح البخاری:۵۸۵۵،صحیح مسلم:۲۰۹۷،دارالسلام:۵۴۹۶)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**إذا انقطع شسع أحدكم فلا يمش في الأخرى حتى يصلحها**)) جب تم سے کسی کی ایک جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ ایک جوتے میں نہ چلے یہاں تک کہ وہ اسے (دوسرے جوتے کو) درست کروالے۔ (صحیح مسلم:۲۰۹۸،دارالسلام:۵۴۹۷)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوتے میں چلنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۰۹۹،دارالسلام:۵۴۹۹)

بعض لوگ اس میں کوتاہی کرتے ہیں لہٰذا ایسے عمل سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے جس سے

سنت کی مخالفت ہوتی ہو۔

۵۔ جوتوں میں نماز پڑھنا صحیح ہے

ابو مسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے (سیدنا) انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: **أکان النبي ﷺ یصلي في نعلیه ؟ قال :نعم !** کیا رسول اللہ ﷺ اپنے جوتوں میں نماز پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں! (صحیح البخاری:۳۸۶،صحیح مسلم:۵۵۵،دارالسلام:۱۲۳۶)

لیکن یاد رہے کہ جوتے پاک ہوں تو تب ہی ان میں نماز پڑھ سکتے ہیں بصورتِ دیگر نہیں۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ ''اس حدیث کو اس بات پر محمول کریں گے کہ اس جوتے میں گندگی نہ لگی ہو۔'' (فتح الباری ۱/۶۵۱)

۶۔ اگر گندگی لگی ہو تو اس کو دور کر کے پھر اس میں نماز پڑھنی جائز ہے

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا جاء أحدکم إلی المسجد فلینظر فإن رأی في نعلیه قذرًا أو أذًی فلیمسحه ولیصل فیهما)) جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد کی طرف آئے تو وہ دیکھے اگر اس کے جوتوں میں کوئی گندگی وغیرہ لگی ہو تو اسے صاف کرے اور ان میں نماز پڑھے۔

(سنن ابی داود:۶۵۰ وسندہ صحیح، صحیح ابن خزیمہ:۱۰۱۷)

بعض لوگ اس کو برا خیال کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((خالفوا الیهود فإنهم لا یصلون في نعالهم ولا خفافهم))** یہودیوں کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ (ابوداود:۶۵۲، وسندہ صحیح)

اس حدیث سے واضح معلوم ہوا کہ (پاک) جوتے سمیت نماز پڑھنا جائز ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''**رأیت رسول اللّٰه ﷺ یصلي حافیًا و متنعلًا** ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ننگے پاؤں اور جوتوں سمیت (دونوں طرح) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ابوداود:۶۵۳ وسندہ حسن)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی جوتے پہن کر نماز پڑھنا ثابت ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۱۰۱۷، ابوداود: ۶۵۰ وسندہ صحیح)

تنبیہ: بعض لوگ بعض جوتوں میں نماز جائز اور بعض میں ناجائز سمجھتے ہیں۔ اس فرق کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر اس جوتے میں نماز پڑھنی جائز ہے جسے جوتا کہا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

جوتے پہن کر نماز پڑھنا ایک رخصت ہے جس پر عمل کرنا مسنون ہے مگر جوتے کی آڑ میں مسجد کا احترام پامال کرنا صحیح نہیں ہے۔ جوتے کو بھی دیکھا جائے گا کہ آیا اس کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے سے مسجد کی صفائی کا نظام تو خراب نہیں ہوگا.....!

☆ اگر گندگی لگے جوتے میں نماز پڑھ رہے ہوں اور نماز کے دوران میں معلوم ہو جائے تو جوتے اتار دینے چاہئیں۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۰۱۷، ابوداود: ۶۵۰ وسندہ صحیح)

☆ اگر گندگی لگے جوتے میں نماز پڑھ لی گئی ہے تو دہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے آپ نے اپنے جوتے اتار دیئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے جب آپ نے نماز مکمل کی تو فرمایا: ((**لم خلعتم نعالکم ؟**)) تم نے اپنے جوتے کیوں اتارے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو جوتے اتارتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی اتار دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل (علیہ السلام) آئے تھے انھوں نے آکر مجھے خبر دی کہ آپ کے جوتوں کو گندگی لگی ہوئی ہے لہذا جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ اپنے جوتے کو الٹا کر کے دیکھے (اگر) وہ ان میں گندگی دیکھے تو ان کو زمین پر رگڑے، پھر وہ ان میں نماز پڑھے۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۰۱۷، واللفظ لہ، ابوداود: ۶۵۰ وسندہ صحیح)

امام الائمہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے کہ ''جوتے میں نماز پڑھنا خواہ ان کو گندگی لگی ہوئی ہو اور نمازی کو اس کا علم نہ ہو'' یہ باب اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نمازی جب جوتے یا کپڑے میں نماز پڑھے جو اس کے نزدیک پاک ہو، پھر اسے پتا چلے کہ جوتا یا کپڑا پاک نہیں تھا تو جس حالت میں اس نے نماز پڑھی وہ جائز ہے،

اس کا دہرانا واجب نہیں ہے کیونکہ آدمی اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق پاک کپڑوں (اور پاک جوتے) میں نماز پڑھے نہ کہ وہ علم غیب کا مکلّف ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

☆ نماز پڑھتے ہوئے جوتے کو اتار کر اپنی دائیں طرف نہیں رکھنا چاہئے۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۱۰۱۶، ابوداود: ۶۵۴، صحیح حدیث ہے۔)

☆ نمازی جوتے کو اتار کر اپنی بائیں طرف رکھ سکتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ ادھر کوئی دوسرا نمازی نہ ہو۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۰۱۶، ابوداود: ۶۵۴، حدیث صحیح ہے۔)

☆ اگر بائیں طرف کوئی آدمی ہو تو پھر جوتے کو دونوں پاؤں کے درمیان رکھ لے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے جوتے دائیں طرف نہ رکھے اور نہ بائیں طرف رکھے، کیونکہ اس صورت میں وہ کسی دوسرے کے دائیں طرف ہوں گے۔ ہاں اگر اس کے بائیں طرف کوئی نہ ہو تو پھر رکھ لے اور نمازی اپنے جوتے اپنے پاؤں کے درمیان رکھے۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۱۰۱۶، ابوداود: ۶۵۴، حدیث صحیح ہے۔)

۷۔ جوتا سامنے رکھ کر نماز پڑھنا

نماز کی حالت میں جوتا کہاں رکھنا چاہئے؟ اس کی تفصیل آپ نے پڑھ لی ہے۔

اگر سامنے رکھ کر نماز پڑھنی منع ہوتی تو اس کا ضرور ذکر ہوتا۔ یہ یاد رہے کہ ہر کام میں اصل اباحت ہے، منع کی دلیل چاہئے اور اسی کے متعلق حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ''رہی یہ بات کہ ''جوتا آگے ہو تو نماز نہیں ہوتی'' تو اس کے بارے میں کوئی آیت یا حدیث مجھے معلوم نہیں۔'' (احکام ومسائل ج۲ص۱۶۰)

معلوم ہوا کہ اگر جوتا آگے ہو تو بھی نماز ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)

۸۔ کھڑے ہو کر جوتا پہننا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''نهى رسول الله ﷺ أن ينتعل

الرجل وھو قائم ''رسول اللہ ﷺ نے کھڑے کھڑے جوتا پہننے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن الترمذی:۱۷۷۶، وقال:ھذا حدیث غریب)

یہ روایت سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں قتادہ مدلس ہیں اور عن سے بیان کر رہے ہیں، اس روایت کی دوسری سندیں بھی ضعیف ہیں۔کما قال شیخنا الحافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ فی تحقیقہ

۹۔ احرام کی حالت میں جوتے پہننا جائز ہیں

حدیث میں ہے کہ'' اگر جوتے نہ ہوں تو پھر موزے پہن لے اور اسے چاہئے کہ دونوں موزوں کو ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ لے۔'' (صحیح البخاری:۱۵۴۲، صحیح مسلم:۱۱۷۷، دارالسلام:۲۷۹۱)

صحیح مسلم (۱۱۷۹) میں موزوں کو ٹخنوں سے نیچے تک کاٹنے کا ذکر نہیں ہے لیکن عدمِ ذکر نفیِ ذکر کو مستلزم نہیں ہے۔یاد رہے کہ امام احمد، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیخ ابن باز رحمہم اللہ جوتوں کو حالتِ احرام میں کاٹنا منسوخ سمجھتے ہیں۔

۱۰۔ قبرستان میں جوتوں سمیت چلنا

سیدنا بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جوتوں سمیت قبرستان میں چل رہا تھا، اچانک ایک آدمی نے میرے پیچھے سے آواز لگائی کہ اے جوتیاں پہننے والے! جوتے اتار دو۔

(ابوداود:۳۲۳۰، وسندہ صحیح)

اگر قبرستان میں کانٹے وغیرہ ہوں تو پھر جوتے پہن کر چل سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

بعض دلائل سے جوتوں سمیت قبرستان میں چلنے کا جواز ثابت ہوتا ہے مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ قبر میں مدفون آدمی لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

(صحیح بخاری:۱۳۳۸، صحیح مسلم:۲۸۷۰)

معلوم ہوا کہ قبرستان میں جوتوں سمیت چلنا جائز ہے لہٰذا بعض علماء کا اسے مکروہ یا ممنوع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

۱۱۔ اونچی ایڑی والی جوتی پہننا

دیکھا دیکھی یہ عام ہو رہا ہے کہ عورتیں اس قدر اونچی ایڑی والی جوتی پہنتی ہیں کہ آدمی دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ پتا نہیں یہ عورت کیسے چلتی ہے؟ حالانکہ جوتا پہننے کا مقصد یہ ہے کہ کانٹوں وغیرہ سے پاؤں محفوظ رہیں یا آدمی آسانی سے چل پھر سکے مگر اونچی ایڑی والی جوتی میں رقم کی بھی فضول خرچی ہے کیونکہ ایسی جوتی قدرے مہنگی ہوتی ہے اور پھر اس میں تصنع کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اس کے متعلق سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک عورت تھی جو کہ پست قامت تھی اور یہ ایسی دو عورتوں کے ساتھ جا رہی تھی جو طویل القامت تھیں تو اس عورت نے لکڑی کے دو پاؤں (جوتی نما) بنوائے اور ایک سونے کی انگوٹھی اور اس میں مشک بھر دی۔ پھر یہ دونوں طویل القامت عورتوں کے ساتھ چل رہی تھی تو عام طور پر اسے پہچانا نہیں گیا...'' (صحیح مسلم:۲۲۵۲)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ''اس حدیث میں جو عورت کا لکڑی کے پاؤں لگا کر چلنے کا ذکر ہے جس کی وجہ سے وہ دو لمبی عورتوں کے درمیان نہیں پہچانی گئی۔ ہماری شریعت میں اس کا یہ حکم ہے کہ اگر اس کا منشاء صحیح اور مقصود شرعی ہو، تاکہ وہ اپنے آپ کو چھپائے اور اس کو کوئی پہچان نہ سکے اور اذیت نہ پہنچا سکے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر ایسا کرنے کا منشاء بڑائی بتلانا اور اپنے آپ کو کامل عورتوں کے مشابہ ثابت کرنا یا لوگوں کو دھوکا دینا مقصود ہے تو ایسا کرنا حرام ہے۔''

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اونچی ایڑی کم از کم کراہت کا حکم رکھتی ہے کیونکہ اس میں دھوکا ہے، عورت دراز معلوم ہوتی ہے جبکہ وہ ایسی نہیں ہوتی۔ دوسری وجہ ہے کہ اس میں عورت کے گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ ڈاکٹروں کی رائے میں ایسی جوتی پہننا صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔'' (فتاوی برائے خواتین ص ۲۷۵۔۲۷۶)

نیز یہ بھی یاد رہے کہ عورت کو چھپ کر رہنے کا حکم دیا گیا ہے اونچی ایڑی والی جوتی پہن کر عورت خود بخود غیروں کی نظروں کا شکار بنتی ہے۔

۱۲۔ جوتے مار کر کسی کو سزا دینا

جب کوئی شراب پینے والا (حرمتِ شراب کے بعد) رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا جاتا تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسے مارنے کا حکم دیتے پھر کوئی ان میں سے اپنے ہاتھ سے مارتا، کوئی جوتے سے اور کوئی کپڑے سے۔ (صحیح البخاری:٦٧٧٧)

بعض دفعہ رسول اللہ ﷺ شراب پینے والے کو جوتے اور چھڑی سے سزا دیتے۔

(صحیح البخاری:٦٧٧٦)

معلوم ہوا کہ اُمورِ شریعت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کسی کو بطورِ سزا جوتے مارنا صحیح ہے۔

۱۳۔ خوبصورت جوتا پہننا تکبر کی علامت نہیں ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو، ایک آدمی نے کہا کہ بے شک آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کا جوتا اچھا ہو، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق کو ٹھکرا دینا ہے اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم:۹۱، دارالسلام:۲٦۵)

معلوم ہوا کہ خوبصورت جوتا پہننا بالکل صحیح ہے صرف یہ خیال رکھا جائے کہ اس میں مال کا اسراف نہ ہو۔

۱۴۔ بعض مقامات پر جوتے اتار دینے جائز ہیں

جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام طویٰ وادی پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ میں تمھارا پروردگار ہوں۔ اس وقت تم طویٰ کے مقدس میدان میں ہو لہٰذا جوتے اتار لو... (طٰہٰ:۱۲)

سنن الترمذی (۱۷۳۴) میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت مرے ہوئے گدھے کے چمڑے کا جوتا پہنا ہوا تھا، لیکن یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں حمید الاعرج ہے جو کہ ضعیف ہے اور امام ترمذی نے بھی اس روایت کو ''غریب'' کہا ہے۔

۱۵۔ جوتے سمیت کھانا پینا صحیح ہے

جس روایت میں آیا ہے کہ کھانا جوتے اتار کر کھانا چاہئے وہ ضعیف ہے۔

۱۶۔ جوتے کو حق مہر میں مقرر کرنا ثابت نہیں

بنوفزارہ کے ایک آدمی نے جوتے کو حق مہر میں باندھ کر شادی کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے نکاح کو جائز (درست) قرار دیا۔ (ابن ماجہ:۱۸۸۸، سنن الترمذی:۱۱۱۳)

یہ روایت عاصم بن عبید اللہ (ضعیف) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جب یہ روایت ہی ضعیف ہے تو پھر اس سے مسئلہ بھی ثابت نہیں ہوگا۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (تحفۃ الاحوذی ۱۸۲/۲) شیخ البانی رحمہ اللہ اور شیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۷۔ جوتا پہن کر اذان کہنا درست ہے/ دیکھئے فتاویٰ الدین الخالص (۲۳۰/۳)

۱۸۔ جمرات کو کنکریوں کے بجائے جوتے مارنا؟

بعض لوگ حج یا عمرہ کرتے ہوئے جمروں کو کنکریاں مارنے کے بجائے جوتے مارنا شروع کر دیتے ہیں ایسا کرنا درست نہیں ہے بلکہ بعض علماء نے اسے بدعت کہا ہے۔

دیکھئے السلسلۃ الضعیفۃ (۴۱۱/۲، ح ۹۸۰)

۱۹۔ اگر جوتا الٹا پڑا ہو تو کیا ہوگا؟

بعض لوگ جب جوتے کو الٹا پڑا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اسے سیدھا کر دو۔ ایسا کرنے کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ اگر جوتا الٹا پڑا ہو تو یہ نحوست کی علامت ہے اور اس سے رزق میں تنگی آجاتی ہے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے جس کا قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہاں البتہ اُسے سیدھا ضرور کر دینا چاہئے کہ طبیعت ناگواری محسوس کرتی ہے۔

۲۰۔ عوام میں نبی ﷺ کی طرف منسوب جوتے کا جو عکس مشہور ہے، صحیح حدیث اور آثارِ سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ **وما علینا إلا البلاغ**

تذکرۃ الاعیان عبدالرشید عراقی

مولانا محمد صدیق سرگودھوی رحمہ اللہ

مولانا ابوالسلام محمد صدیق بن عبدالعزیز سرگودھوی کا شمار نامور علمائے اہلِ حدیث میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۹۱۴ء بمطابق ۱۳۳۲ھ موضع فیروز وال ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے اور تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں میں کیا۔ آپ نے جن اساتذہ کرام سے مختلف علومِ اسلامیہ میں تحصیلِ علم کیا، ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

① مولانا صدرالدین غالبوی رحمہ اللہ ② شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ

③ شیخ الحدیث مولانا کوموی رحمہ اللہ ④ مولانا حافظ محمد حسین روپڑی رحمہ اللہ

⑤ مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ

⑥ علامہ شیخ الحدیث حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ

سب سے زیادہ استفادہ آپ نے محدث روپڑی رحمہ اللہ سے کیا۔ فراغتِ تعلیم کے بعد مشرقی پنجاب کے شہر لدھیانہ میں اقامت گزین ہوئے اور جامع مسجد اہلِ حدیث میں درس وتدریس اور خطابت کا سلسلہ شروع کیا۔ لدھیانہ میں آپ کا قیام ۱۹۴۷ء تک رہا۔

تقسیمِ ملک کے بعد ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور سرگودھا میں سکونت اختیار کی۔ سرگودھا میں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ایک مسجد میں خطبۂ جمعہ بھی ارشاد فرماتے رہے۔ اس کے ساتھ دینی کتب کی اشاعت کے سلسلے میں ایک اشاعتی ادارہ ''اشاعۃ السنۃ النبویہ'' قائم کیا۔ جس کے زیرِ اہتمام چھوٹی بڑی کئی کتابیں عربی اور اردو کی شائع کیں۔ علم وفضل کے اعتبار سے مولانا محمد صدیق جامع العلوم تھے۔ علم الفرائض میں آپ کو یدِطولیٰ حاصل تھا۔ آپ اس علم میں اتھارٹی کا درجہ رکھتے تھے۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس وراثت کے مسائل کے سلسلے میں بے شمار حضرات اپنے سوالات بھیجتے ہیں۔ پس میں یہ تمام سوالات مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ کو سرگودھا بھیج

دیتا ہوں۔ وہی ان سوالات کے جوابات لکھتے ہیں اور پھر انھی کے نام سے الاعتصام میں شائع کرتا ہوں۔

مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ بلند پایہ خطیب، مدرس اور مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف بھی تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر جو کتابیں لکھیں اور مرتب فرمائیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے: ① اوصاف مسلمان ② راہ سنت ③ وراثتِ اسلامیہ

④ المعراج ⑤ خیرالکلام ⑥ جمع بین الصلاتین

⑦ دائمی اوقات نماز ⑧ اردو ترجمہ جزء رفع الیدین

⑨ اردو ترجمہ تحقیق الایضاح از الشیخ ابن باز رحمہ اللہ

⑩ تعلیم الاحکام ترجمہ بلوغ المرام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (نامکمل)

مولانا محمد صدیق کے دو عظیم علمی کارنامے بھی ہیں: ایک آپ نے شیخ محمد علوی کا حاشیہ سنن ابن ماجہ (عربی) مفتاح الحاجہ اپنے اشاعتی ادارہ اشاعۃ السنۃ النبویہ سے شائع کیا۔

دوسرے آپ نے اپنے شیخ العلام حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ (م ۱۳۸۴ھ) کے فتاویٰ (جو ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث روپڑ اور لاہور میں شائع ہوتے رہے) کتابی صورت میں تین جلدوں میں شائع کئے۔ دوسری بار ان فتاویٰ کو دو جلدوں میں شائع کیا۔ ان فتاویٰ کی اشاعت سے بقول میاں محمد یوسف سجاد حفظہ اللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کا منہج اور طرزِ استدلال واضح طور پر علماء کے سامنے آ گئے۔

مولانا محمد صدیق کی ساری زندگی درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ ان کے تلامذہ بہت زیادہ ہیں، چند مشہور تلامذہ یہ ہیں: مولانا عبدالرشید راشد، مولانا عبدالحئ انصاری، مولانا پروفیسر محمد طیب شاہین اور مولانا عبدالسلام (صاحبزادہ)

مولانا محمد صدیق نے ۱۶ اپریل ۱۹۸۸ء کو سرگودھا میں وفات پائی۔

سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

احسن الحدیث حافظ ندیم ظہیر

امانت ادا کرنے کا حکم

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انھیں ادا کرو اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمھیں اللہ کر رہا ہے، بے شک اللہ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔ (النسآء:۵۸)

فقہ القرآن: علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت احکام کے ماخذ میں سے ہے۔ تمام دین اور شرع کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (تفسیر قرطبی ۲۴۵/۵)

☆ امانت والوں کی امانت لوٹانا واجب ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو لوٹائی جائیں گی (اگرچہ وہ) نیکوکار ہوں یا فاسق وفاجر ہوں۔ (تفسیر قرطبی ۲۴۶/۵)

☆ ہر وہ چیز جس پر انسان کو امین بنایا جائے اور اس کے انتظام کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے، امانت کہلاتی ہے۔ [تفسیر السعدی ۵۳۱/۱] لفظ ''امانت'' اپنے اندر بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے، مثلاً: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی تم سے بات کرتے ہوئے اِدھر اُدھر سے چوکنا ہو رہا ہو (کہ کہیں کوئی سن نہ لے) تو یہ بات امانت ہے۔ [سنن ابی داود: ۴۸٦۸ وسندہ حسن] آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک روزِ قیامت امانت میں یہ بہت بڑی خیانت شمار ہوگی کہ مرد اپنی بیوی کے اور بیوی اپنے شوہر کے قریب ہو اور پھر اس کے راز کو افشا کردے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۳۷، دارالسلام: ۳۵۴۳)

☆ خیانت کرنے والے کو نفاق سے ''متصف'' کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو (اس میں) خیانت کرے۔ (صحیح بخاری: ۳۳، صحیح مسلم: ۵۹)

☆ ہر قاضی ومنصف پر لازم ہے کہ وہ عدل وانصاف کا دامن کبھی نہ چھوڑے۔ اس سلسلے میں کتاب وسنت میں بہت زیادہ تاکید ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ... ﴾ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (النحل: ۹۰)

☆ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم پُرحکمت اور واجب الادا ہے۔